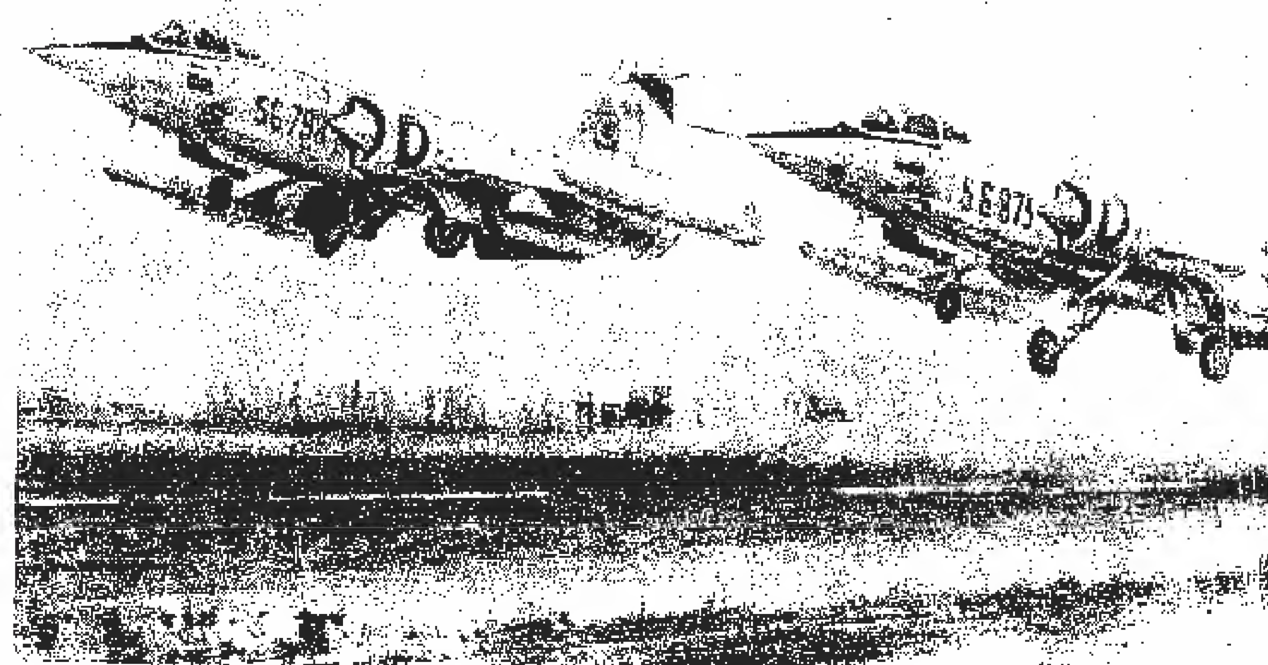


تمہیں وطن کی فضائیں سلام کہتی ہیں



تمہیں وطن کی فضائیں سلام کہتی ہیں

ٹیپو سلطان

1965ء کی جنگ پاکستان کی تاریخ کا فخر ہے خصوصاً ہماری ایئرفورس نے اس جنگ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ فضائی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب ہے۔ ہم اپنی قوم کے نوجوانوں کو بھولا سبق یاد دلانے کے لیے اس جنگ کے غازیوں اور شہیدوں کو نذر عقیدت پیش کررہے ہیں۔

اسکواڈرون لیڈر علاؤالدین احمد شہید

اسکواڈرون لیڈر علاؤالدین کو ان کے دوست احباب پیار سے ''بچ'' کہا کرتے تھے۔ آپ 1935 میں ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ پاک فضائیہ کا پائلٹ بننے کا شوق انہیں لڑکپن سے تھا۔ اسی شوق کی تکمیل کے لیے آپ بھرتی کے ایک دفتر میں پہنچے لیکن ریکروٹنگ آفیسر نے انہیں یہ کہہ کر مایوس کردیا تھا کہ وہ پائلٹ نہیں بن سکتے کیونکہ ان کی ایک ٹانگ دوسری سے کچھ چھوٹی ہے اور قد بھی بھرتی کے معیار پر پورا نہیں اترتا لیکن عزم کا پکا علاؤالدین جسے شہادت پر ''ستارہ جرات'' کے اعزاز سے نوازا گیا، مایوس نہیں ہوا اور اس نے اعلیٰ افسروں کو درخواست دی۔ وہاں سے بھی شوق کی تکمیل ہوتی نظر نہ آئی تو حکام بالا سے اپیل کی جو ان کے غیر معمولی جوش اور جذبے کو سراہتے ہوئے قبول کرلی گئی اور آپ نے پاک فضائیہ میں 1953ء میں شمولیت اختیار کی۔

علاؤالدین احمد کی دلی مراد پوری ہوچکی تھی۔ فضائیہ میں شامل ہونے کے بعد آپ نے اسٹیشن پر اپنے آپ کو ایک منفرد حیثیت سے متعارف کرایا۔ ان کی طبیعت میں شگفتگی اور زندہ دلی تھی۔ ان کی حرکتوں میں کم سن شوخ بچوں کا سا کھلنڈراپن تھا۔ لیکن ان اوصاف کے باوجود ڈسپلن کے پکے تھے۔ خود بھی اس کی پابندی کرتے تھے اور دوسروں سے بھی اس کی تکمیل کراتے تھے۔ اس سے علاوہ ہر وہ کام جو ان کے سپرد کیا جائے تندہی سے انجام دینا بھی ان کا ایمان تھا۔ وہ اپنے اسکواڈرن کے ہوابازوں سے کہا کرتے تھے۔

''کسی کام کو انجام دینے کی تعریف یہ ہے کہ وہ مکمل بخوبی ہو اور کوئی غلطی بھی نہ ہو''

یوں تو انہوں نے لڑاکا بمبار اسکواڈرن کے کمانڈنگ آفیسر کی حیثیت سے دشمن کی بری اور فضائی فوج کے خلاف بیس حملوں کی قیادت کی تھی اور ہر مشن میں ان کی قیادت بے خوف اور پر اعتماد تھی لیکن ان کا مثالی کارنامہ گورداسپور کے ریلوے اسٹیشن پر بھاری اسلحے سے بھری ہوئی ایک مال گاڑی کو تباہ کرنا تھا۔ اس

مشن میں انہوں نے اپنی جان تک نثار کردی لیکن اپنے مشن کو نامکمل چھوڑنا قبول نہیں کیا۔

یہ 13 ستمبر تھی۔ علاؤالدین چونڈہ نارووال سیکٹر میں دشمن کی فضا پر اپنا راج قائم کر کے لوٹے تھے۔ واپسی کے وقت ان کے جہاز کی مشین گنیں خالی ہوچکی تھیں اور پروں کے نیچے ایک راکٹ بھی باقی نہیں بچا تھا۔ وہ اپنے مشن کی کامیابی کے لیے ایک ایک گولی کی قیمت وصول کر کے لوٹے تھے لیکن ابھی ناشتہ کرنے کے بعد کمر بھی سیدھی نہ کرنے پائے تھے کہ ایک اور مشن ان کے سپرد کر دیا گیا اور وہ مشن تھا دشمن کے علاقے گورداسپور میں مشاہداتی پرواز۔

اس وقت دن کے دس بجے تھے۔ ستمبر کا سورج دمک رہا تھا۔ چونڈہ کے فاتح نے ایک بار پھر اپنے غراتے چنگھاڑتے طیاروں کا رخ دشمن کی فضا کی طرف کر دیا۔ اس مشن کی قیادت بھی علاؤالدین احمد کے سپرد تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ان کے طیارے دشمن کی فضا میں تھے۔ اس مشن میں ان کے ساتھ فلائٹ لیفٹیننٹ امان اللہ، فلائٹ لیفٹیننٹ سلیم اور فلائٹ لیفٹیننٹ عارف منظور تھے۔

چاروں ہواباز دشمن کی فضا میں پرواز کر رہے تھے۔ اچانک فلائٹ لیفٹیننٹ امان اللہ نے اپنے ساتھیوں کو مطلع کیا۔ نیچے ایک گاڑی جا رہی ہے۔"

اگلے چاروں ہوابازوں نے گاڑی پر غوطہ لگایا۔ وہ خوفناک حد تک نیچے چلے گئے۔ یہاں تک کہ انہیں گاڑی میں بیٹھے مسافروں کے چہرے نظر آنے لگے۔

"یہ مسافر گاڑی ہے۔ اسے جانے دو۔" کمانڈر "بچ" کی آواز کے ساتھ ہی چاروں طیارے بلندی پر واپس پہنچ گئے۔

تھوڑی سی پرواز کے بعد انہیں پٹھان کوٹ کا ہوائی اڈہ دکھائی دیا۔ اڈے کے ہینگر، عمارت اور صاف رن وے ان کے لیے خاصے اشتعال انگیز ٹارگٹ تھے لیکن وہ وہاں تک نہیں جا سکتے تھے کیونکہ ہدایت کے مطابق ان کے مشن کی حدود یہاں ختم ہو جاتی تھیں۔ فارمیشن کے لیڈر "بچ" کی ہدایت پر چاروں طیاروں نے گورداسپور کا رخ کیا۔

وہ گورداسپور کے قریب پہنچے تھے کہ انہیں ریلوے اسٹیشن پر ایک مال گاڑی کھڑی نظر آئی۔ "یہی ہمارا نشانہ ہے۔" علاؤالدین نے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا۔ "اسے چیک کرتا ہوں۔" اگلے لمحے وہ غوطے میں چلے گئے۔

گاڑی کو چیک کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا جسے علاؤالدین احمد نے اس وقت آزمایا۔ غوطے میں جاتے ہوئے انہوں نے نشست باندھی۔ مال گاڑی کو مطلوبہ رنج کی سیدھ میں کرنے کے بعد انہوں نے اطمینان سے فائرنگ بٹن دبا دیا اور چھ مشین گنوں کی بکتر شکن اور آتشیں گولیاں گاڑی کی آہنی چادر میں داخل ہو گئیں۔ دوسرے ہی لمحے ریلوے اسٹیشن پر ہولناک دھماکہ ہوا۔ گاڑی سے سیاہ دھواں اٹھ کر آس پاس کے ماحول کو اندھیرے میں ڈبونے لگا۔

لیڈر گاڑی کو چیک کر چکا تھا۔ وہ غوطے سے اٹھا اور وائرلیس پر ساتھیوں کو اطلاع دی۔ "یہ ایمونیشن کی گاڑی ہے۔ اس کی آخری بوگی تک تباہ کر دو۔"

پھر فوراً ہی وہ دوسرے حملے کے لیے غوطے میں چلے گئے۔ اس بار انہوں نے راکٹوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس حملے سے اٹھے تو دوسرے ہوابازوں نے باری باری اپنا فرض نبھایا اور مشین گنوں اور راکٹوں کی بارش کر دی۔ پھٹتے بارود سے اٹھتی سیاہ گھٹاؤں نے اب پورے اسٹیشن اور آس پاس کے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ فضا سے نیچے سوائے تاریکی کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا لیکن پاک فضائیہ کے یہ شاہین گاڑی کا ایک ڈبا بھی سلامت نہیں چھوڑنا چاہتے تھے اسی لیے ہر خطرہ سے بے خوف ہو کر تاریکی کے بادل میں گھس کر فائر کرتے رہے۔ یہ تمام کی تمام گاڑی اسلحے سے بھری ہوئی تھی۔

"گاڑی کا شاید ہی کوئی ڈبا محفوظ رہ گیا ہو۔" تینوں ہوابازوں نے سوچا لیکن "بچ" ابھی مطمئن نہ تھا۔ اس پر جنونی کیفیت طاری تھی۔ وہ اس گاڑی میں بارود کا ایک ذرہ بھی سلامت چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ساتھیوں کو اطلاع دیے بغیر پھر غوطے میں چلا گیا اور جب فائرنگ کر کے اٹھ رہا تھا تو ایک بڑا سا لوہے کا ٹکڑا اس کے طیارے کو آ لگا۔ طیارہ بڑے زور سے ڈگمگایا لیکن "بچ" نے سنبھال لیا۔ شاید قدرت نے اسے یہ پوری گاڑی تباہ کرنے کا حوصلہ دیا تھا ورنہ طیارہ بیکار کرنے کے لیے یہ ضرب کافی تھی۔

"بچ" کا طیارہ بلندی پر آ چکا تھا۔ نیچے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بھارت کے منہ پر کالک مل دی گئی ہو۔ ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سارا اسٹیشن جل اٹھا ہو۔ اس اندھیرے میں مال گاڑی کا بھی پتا نہیں چلتا تھا کہ کہاں ہے۔ اسی لمحے ساتھیوں کو علاؤالدین کی جوش اور مایوسی کے ملے جلے جذبات سے تھراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "کچھ نظر نہیں آتا۔ ہوسکتا ہے، کچھ ڈبے باقی بچ گئے ہوں۔" اور اس سے پیشتر کہ اس کے ساتھی اسے کوئی مشورہ دیتے، وہ پھر غوطے میں چلا گیا۔ دھوئیں کی گھٹائیں اب بہت اوپر اٹھ آئی تھیں۔ دھوئیں میں کچھ نظر نہیں آتا تھا لیکن پاک فضائیہ کا یہ جانباز ہواباز اس دھواں دھار فضا میں نیچی پرواز کر کے جلتے ملبے کو دیکھتا رہا کہ شاید کوئی ڈبا سلامت مل جائے لیکن وہاں کچھ ہوتا تو نظر آتا۔

اتنا اطمینان کر لینے کے باوجود وہ مطمئن نہ ہوا اور ایک بار پھر گھٹاؤں سے اٹھ کر غوطے میں چلا گیا۔ اس بار وہ خطرناک حد تک نیچے چلا گیا۔ جلتی ہوئی گاڑی سے ذرا ہی اوپر اس کا طیارہ پرواز کر رہا تھا۔ تبھی اسے دو تین ڈبے نظر آ گئے جو اس کے خیال میں ابھی تک محفوظ تھے۔ انہیں ٹارگٹ بنانے کے لیے اس نے اپنا طیارہ عموداً اوپر کھینچا اور گھما کر پھر غوطے میں لے گیا۔ جاتے جاتے وہ ساتھیوں کو اطلاع دے گیا کہ چند ڈبے ابھی محفوظ ہیں۔ ساتھیوں کو یقین نہ آتا تھا کہ کوئی ڈبا سلامت ہوگا۔ وہ اپنے لیڈر کی مجنونانہ کیفیت دیکھ کر اس کے بارے میں کچھ فکرمند سے ہو گئے اسی لمحے راکٹ فائر کی آواز آئی۔ یہ سارے راکٹ اپنے صحیح نشانے پر لگے۔ لیڈر سچ ہی کہتا تھا کہ کچھ ڈبے ابھی باقی ہیں لیکن علاؤالدین احمد کے فائر کیے راکٹ جونہی گاڑی کے ڈبوں پر پہنچے، ایک زلزلہ خیز دھماکہ ہوا۔ ان ڈبوں میں بم تھے یا بڑی توپوں کے گولے جو بیک وقت پھٹ رہے تھے۔ اس دھماکے کی لہریں اس قدر شدید تھیں کہ تینوں ہوابازوں کے طیارے ڈول گئے۔ ریل گاڑی اور گرد و پیش کا ملبہ سینکڑوں فٹ اوپر فضا میں گولوں کی طرح اٹھ آیا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا پہلے ہی فضا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ عزم کا پکا فرض شناس علاؤالدین بھی اس قیامت میں گھر گیا۔ اس نے طیارے کو بلندی پر لے جانا چاہا لیکن اڑتے ملبے کے بیسیوں ٹکڑوں کی ضرب نے اس کے طیارے کو مفلوج کر دیا تھا۔ پھر بھی اس نے طیارہ سنبھال لیا اور بلندی پر لا کر اس کا رخ پاکستان کی طرف کر دیا۔

چاروں ہواباز گاڑی تباہ کرنے کے بعد فضا میں اس طرح بچھڑے ہوئے تھے کہ ایک دوسرے کو نظر نہیں آ سکتے تھے۔ صرف وائرلیس سے ان کا رابطہ قائم تھا۔ اچانک ساتھی ہوابازوں کو اپنے لیڈر کی آواز سنائی دی۔ "میری کاک پٹ دھوئیں سے بھر گئی ہے۔" ان کی

آواز مشن کی کامیابی سے رندھی ہوئی تھی۔ دوسرے لمحے ان کی آواز پھر آئی۔ ''اب ٹھیک ہے۔''

یہ آخری الفاظ تھے جو علاؤالدین اپنے ساتھیوں تک پہنچا سکے۔ اس کے بعد گروپ کے ڈپٹی لیڈر نے کئی بار علاؤالدین کو وائرلیس پر پکارا۔ انہیں خیال گزرا کہ ہو سکتا ہے، خوفناک دھماکے کی زد میں آ کر ان کے لیڈر کا طیارہ اڑان کے قابل نہ رہا ہو اور وہ راستے میں پیراشوٹ (Parachute) کی مدد سے طیارے سے چھلانگ لگا گئے ہوں۔

اس شبہے کی روشنی میں ہوا بازوں نے دشمن کے علاقے میں نیچی پرواز کر کے لیڈر کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی پھر پاک فوج کا ایک چھوٹا سا طیارہ انہیں تلاش کرنے گیا یہ تلاش دشمن کی طیارہ شکن توپوں کی گھن گرج میں پانچ گھنٹے تک جاری رہی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ علاؤالدین جس عزم اور جوش سے بھرے ہوئے تھے، وہ آج اس کا مظاہرہ اپنی جان دے کر چکے تھے۔ جس وقت وہ بے پتا ہوئے، اس وقت وہ پاکستان سے صرف بارہ میل دور تھے جسے سیبر طیارہ صرف ڈیڑھ منٹ میں پھلانگ سکتا تھا۔

آدم پور پر پہلی بمباری

جنگ کا پہلا روز تھا پاک فضائیہ سارا دن اپنی زمینی فوجوں کو مدد دیتی رہی تھی۔ شام کا اندھیرا محاذ پر پھیلنے لگا تو پاک فضائی فوج اپنی ایک ذمے داری سنبھالنے کے لیے تیار ہو گئی اور وہ ذمے داری تھی ان ہوائی اڈوں کی تباہی جن سے دشمن پرواز کر کے اپنی زمینی فوج کو مدد دیتا تھا۔

دشمن کے ہوائی اڈے پر رات کے وقت پہلی بمباری کی ذمے داری اسکواڈرن لیڈر نجیب احمد خان کے سپرد کی گئی۔ اس فارمیشن میں ان کے ساتھ فلائٹ لیفٹیننٹ بشیر، فلائیٹ لیفٹیننٹ عثمان اور فلائٹ لیفٹیننٹ مظہر تھے۔ ان کے علاوہ نجیب کے ساتھ فلائٹ لیفٹیننٹ عرفان، بشیر کے ساتھ فلائٹ لیفٹیننٹ رشید، عثمان کے ساتھ فلائٹ لیفٹیننٹ ہورنی اور مظہر کے ساتھ فلائٹ لیفٹیننٹ غوری نیوی گیٹر تھے۔ (یاد رہے کہ بمبار ہوائی جہاز میں دو آدمی پرواز کرتے ہیں۔ ایک ہوا باز ہوتا ہے اور دوسرا اس کا نیوی گیٹر۔ ہوا باز طیارے کو کنٹرول کرتا ہے اور نیوی گیٹر رات کے وقت اپنے ہوا باز کو دشمن کے ٹھکانے تک جہاں حملہ کرنا ہو رہنمائی کرتا ہے نیز واپس اپنے اڈے پر اترنے کی راہ متعین کرتا ہے۔)

اسکواڈرن لیڈر نجیب اپنی اس مہم کی داستان یوں بیان کرتے ہیں۔

''6 ستمبر کی رات ہمارے 4- بی- 57 بمبار پرواز کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔ فارمیشن کو آخری ہدایات دی جا چکی تھیں۔ چند لمحوں بعد میں اور بشیر فضا میں اٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہمارے پیچھے عثمان اور مظہر کے طیارے بھی فضا میں آ گئے۔ ہمارے نیو گیٹرز نے ہماری راہ متعین کر دی اور ہمارے طیارے ہندوستان کے ایک اہم ہوائی اڈے آدم پور کی طرف بڑھنے لگے۔

بشیر کا طیارہ مجھ سے کوئی ایک میل آگے پرواز کر رہا تھا۔ ملگجے سے اندھیرے میں وہ سایہ سا نظر آ رہا تھا۔ میں نے وائرلیس پر بشیر کو پکارا۔

''بشیر! تم مجھے نظر نہیں آ رہے ہو۔ ذرا قریب ہو۔''

میرے کہنے پر بشیر اپنے طیارے کو چھے سو گز تک میرے قریب لے آیا لیکن پھر بھی اس اندھیرے میں نہ تو میں اس طیارے کو دیکھ سکتا تھا اور نہ وہ میرے طیارے کو بس وائرلیس پر رابطہ قائم تھا۔ گو ہمارا بچھڑ جانا ممکن نہ تھا کیونکہ منجھے ہوئے نیو گیٹرز ہمارے ساتھ تھے لیکن مجھ پھر بھی خدشہ تھا کہ اس اندھیرے میں ہم ادھر ادھر نہ ہو جائیں۔

اس فارمیشن میں میری حیثیت لیڈر کی تھی۔ اس ذمے داری کو نبھانے کے لیے میں نے ایک خطرہ مول لے لیا۔ میں نے اپنے رفیقوں کے ساتھ نظری رابطہ قائم رکھنے کے لیے نیوی گیشن بتیاں جو طیارے کے باہر لگی ہوتی ہیں، جلا دیں۔ ان بتیوں کو حملے پر جاتے وقت بجھائے رکھتے ہیں کیونکہ ان کی روشنی سے طیارے کی نشاندہی ہو جاتی ہے لیکن میں اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو تنہائی کا احساس نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

ہم سرحد پار کر کے دشمن کی فضاء میں پہنچ چکے تھے۔ اندھیرے میں ہم آس پاس کے ماحول سے بالکل بے تعلق تھے۔ اندھیرا نیوی گیٹرز کے لیے بھی چیلنج تھا۔ اس پر بار بار میرے ساتھی عثمان کی یہ آواز بھی سنائی دیتی تھی۔ ''No Contact'' (رابطہ نہیں ہے۔)

دل کچھ پریشان سا ہو گیا۔ ''کہیں وہ راہ سے بھٹک تو نہیں گیا؟'' لیکن جلد ہی یہ خیال میں نے ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ اس کے ساتھ بھی ایک منجھا ہوا نیوی گیٹر تھا اور ہمارا ملاپ تو خود ایک نقطے پر ہوتا تھا اور وہ نقطہ تھا آدم پور۔

کچھ دیر بعد ہی مجھے پروں کے نیچے ایک چمکیلی لکیر دکھائی دی۔ یہ دریائے بیاس تھا۔ ٹارگٹ قریب آتا جا رہا تھا۔ میں نے نیوی گیشن لائٹ بجھا دی۔ ہماری بلندی اس وقت بہت کم تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد ہمارے نیوی گیٹرز نے ہمیں مطلع کیا کہ آدم پور کا ہوائی اڈہ آنے والا ہے لیکن ایک دفعہ ہم خود ٹارگٹ کے متعلق شش و پنج میں پڑ گئے۔ نیچے تمام بتیاں جل رہی تھیں۔ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ اسی دشمن کی سرزمین ہے جو آج صبح ایک امن پسند قوم پر جنگ مسلط کر چکا تھا۔ جنگ کے دنوں میں ہر وہ ملک جو جنگ میں شریک ہو، اپنی احتیاطی تدابیر کے پیش نظر رات کے وقت پورے ملک میں بلیک آؤٹ کرتا ہے لیکن یہاں ایک اہم ہوائی اڈہ ہمارے سامنے یوں جگمگا رہا تھا جیسے یہ جنگ نہ ہو مذاق ہو۔ دوسرے ہی لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ دشمن کے ہوائی اڈے کی جگمگاتی بتیاں پاک فضائیہ کا تمسخر اڑا رہی ہوں کہ پاکستانی ایئر فورس میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ فضائی حملے کے لیے طیارے ہمارے گھر میں بھیج سکے۔ اس سے پہلے آج صبح پاک بری فوج کو بھی اپنے سے کمتر سمجھ کر بھارت، لاہور پر حملہ کر بیٹھا تھا لیکن پاک فوج نے اس کے تمام ارادے خاک میں ملا دیے تھے اور ثابت کر دیا تھا کہ جب تک آخری سپاہی زندہ ہے، مدافعت جاری رہے گی اور اب بھارت کا پاک فضائیہ کے متعلق بھی یہی قیاس تھا لیکن ہم آٹھ جانباز بھارت کے اس قیاس کو چکنا چور کرنے کے لیے پہنچ چکے تھے اور مجھے خوشی تھی کہ ہم دشمن کے سر پر اچانک آ پہنچے ہیں ورنہ راڈار اور بہت سے دوسرے ذرائع حملہ آور طیاروں کے متعلق پہلے مطلع کر دیتے۔

ٹارگٹ کے قریب پہنچتے ہی ہم نے اپنے طیارے اوپر کھینچ لیے۔ طیارے کو گرجتے ہوئے بلندی کی طرف اٹھے، پھر میں نے طیارے کو ٹارگٹ پر غوطے میں لے جانے کے لیے گھمایا۔ میرا ٹارگٹ انڈین ایئر فورس کے چند طیارے تھے جو شاید اڑان سے واپسی پر رن وے پر کھڑے ''آرام فرما'' رہے تھے۔ میں نے طیارے کو بمباری کے لیے سیدھا کیا اور مطلوبہ بلندی پر پہنچ کر بم گرانے کا بٹن دبا دیا مگر میں سن ہو گیا۔ میرے طیارے سے ایک بم بھی جدا نہیں ہوا تھا۔ میرے پیچھے فلائٹ لیفٹیننٹ بشیر کا طیارہ تھا۔ وہ بڑی جچی تلی اڑان میں آ رہا تھا۔ اس نے بم گرا دیے۔ بم ٹھکانے پر گر کر ایک

دھماکے سے پھٹے اور یوں محسوس ہوا جیسے بھارتی بے خبری کی نیند سے جاگ اٹھے ہوں۔ دھماکے کے ساتھ ہی ہوائی اڈے کی بتیاں گل کرنے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ بشیر کے گرائے ہوئے بموں نے نیچے کئی جگہوں پر آگ لگا دی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بتایں بجھا کر ہماری رہنمائی کے لیے بڑے بڑے الاؤ روشن کر دیے گئے ہوں۔

میری ذہنی و جذباتی کیفیت اس وقت ابتر تھی۔ میرا طیارہ بموں سے پوری طرح لیس تھا لیکن گرا نہیں رہا تھا۔ بڑی الجھن سی تھی۔ میں دوسرے حملے کے لیے جانے لگا تو عثمان کی آواز سنائی دی۔ ''لیڈر! بہتر ہے تم دوسرے حملے کے لیے نہ جاؤ۔ دشمن چپے چپے پر فائر کر رہا ہے اور تمہارا طیارہ بم نہیں گرا رہا۔''

عثمان نے یہ رائے اپنے لیڈر کو غیر مسلح دیکھ کر دی تھی کیونکہ بغیر بموں کے پھٹتے بموں کی وادی میں غوطہ لگانا زندگی کو فضول ہار دینے کے مترادف تھا لیکن نجیب نہیں چاہتا تھا کہ جو تباہی کا سامان وہ اپنے پروں تلے چھپا کر لایا ہے، واپس اپنے وطن لے جائے۔ ان کا ''اصلی حقدار'' تو دشمن ہی تھا۔ انہوں نے اپنے ساتھی عثمان کو بڑی بے پروائی سے جواب دیا۔

''پروا نہیں۔'' اور بمباری کے بٹنوں اور سوئچوں کو متبادل طریقے پر سیٹ کر کے ایک دفعہ پھر غوطے میں چلے گئے۔ اس بار اللہ تعالیٰ نے مراد پوری کر دی اور ان کا طیارہ مخصوص جھٹکے کے ساتھ چار بموں سے آزاد ہو گیا لیکن ابھی کچھ بم ان کے طیارے میں باقی تھے۔ انہوں نے تیسرے حملے کے لیے ٹیکنیکل ایریا کو منتخب کیا اور طیارہ شکن فائر کے جال میں سے گزرتے ہوئے ٹارگٹ تک پہنچ گئے۔ نشانے پر پہنچ کر بٹن دبانے کی دیر تھی کہ چار بم پروں سے علیحدہ ہو کر ہوائی اڈے کی طرف بڑھے۔ ان میں سے دو بم سیدھے پٹرول کے ذخیرے پر جا پڑے اور اگلے ہی لمحے یوں محسوس ہوا جیسے پورے آدم پور کی چتا جل اٹھی ہو۔ شعلے سیکڑوں فٹ بلند ہو گئے تھے اور آدم پور کا پورا ہوائی اڈہ اس سے روشن ہو چکا تھا۔

ادھر عثمان کا طیارہ بے پناہ فائرنگ کی زد میں آ گیا تھا۔ اچانک دشمن کا فائر کیا ہوا ایک گولہ اس کے دائیں پر میں سوراخ کرتا ہوا نکل گیا۔ قسمت کی بات تھی کہ وہ گولہ پھٹ نہ سکا۔ عثمان نے زخمی طیارے کو سنبھال لیا اور واپس لے آیا۔

ادھر نجیب اور اس کے ساتھیوں کے پاس دشمن کی تباہی کا کچھ اور سامان باقی تھا۔ چوتھے حملے کے لیے نجیب نے اس جگہ کو نشانہ بنایا جہاں طیارے اڑنے سے پہلے کھڑے کیے جاتے ہیں۔ طیارہ شکن توپوں نے نجیب کو دیکھ کر ایک دفعہ پھر پورے زور وشور سے دھاڑنا شروع کر دیا لیکن انہوں نے بڑے اطمینان سے باقی بم بھی گرا دیے اور طیارے کو بلندی پر لے گئے۔

نجیب بلندی پر پہنچ کر ہوائی اڈے کی ''دیوالی'' کا نظارہ کرنے لگے۔ ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔ کوئی بھی امن پسند طبیعت اس ہولناک منظر کو دیکھ کر خوش نہیں ہو سکتی تھی لیکن سب ہوا بازوں کو اس منظر نے بڑا سکون دیا۔

اس لیے نہیں کہ وہ شقی القلب تھے بلکہ اس لیے کہ انہوں نے اس ہوائی اڈے کو تہس نہس کر دیا تھا جس سے اڑ کر آج صبح ہی مسٹیئر طیاروں نے وزیر آباد کے قریب ایک مسافر ٹرین پر حملہ کیا تھا اور بے گناہ شہریوں کو شہید اور زخمی کر دیا تھا۔ اس ملک کے ہوائی اڈے کو آگ لگا دی تھی جس نے ان کے پیارے وطن کی طرف ناپاک قدم بڑھانے کی کوشش کی تھی۔

7 ستمبر کی صبح کو بھارتی فضائیہ نے ڈھاکہ اور چاٹگام کے ہوائی اڈوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی مگر پاک فضائیہ کی مستعدی نے انہیں فوراً اپنے علاقوں میں لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ بھارت کے ہوا بازوں کی اس جرأت کا خاطر خواہ جواب دینے کی غرض سے ہمارے ہوا بازوں نے جوابی حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنے فیصلے میں ثابت قدم اور اٹل تھے۔ ان کا کارنامہ ہمیں قرون وسطیٰ کے مسلم بہادر بختیار خلجی کے کارنامے کی یاد دلاتا ہے جس نے صرف اٹھارہ جوانوں کی مدد سے بنگال کی ہندو ریاست فتح کی تھی۔

مغربی بنگال میں بھارتی فضائیہ کا ایک بہت بڑا اڈہ کلائی کنڈہ میں تھا جو مشرقی پاکستان کے لیے مستقل خطرہ تھا۔ وہاں بھارتی ہوا بازوں کی ایک بہت بڑی جمعیت متعین تھی اور فوجی ساز وسامان کے ڈھیر لگے تھے۔ پاک فضائیہ نے اسی اڈے کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ابھی سویرا ہی تھا اور سورج زیادہ بلند نہیں ہوا تھا۔ پی اے ایف کے پانچ لڑاکا بمبار سیبر طیارے اپنے اڈے سے اڑے اور جنوب مغرب کی سمت اپنے ہدف کی جانب روانہ ہو گئے۔ دستے کی رہنمائی سیالکوٹ کے اسکواڈرن لیڈر شبیر حسین کر رہے تھے جنہیں بعد میں شجاعت و جرأت کے کارناموں پر ''ستارہ جرأت'' دیا گیا۔

طیارے 7 ستمبر کے ابر آلود آسمان کو چیرتے اپنی مقررہ بلندی پر جا پہنچے اور جونہی سرحد قریب آئی انہوں نے نیچے کی طرف غوطہ لگایا۔ ٹھیک اس طرح جیسے شاہین اپنے شکار کی طرف جھپٹتا ہے۔ چند سیکنڈ کے بعد یہ لڑاکا طیارے درختوں کی بلندی پر پانچ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کر رہے تھے۔ ہوا بازوں کی عقابی نظریں دشمن کی تلاش میں تھیں۔ جونہی طیارے ہدف کے قریب پہنچے، ہوا بازوں کو ان کے رہنما نے انٹرکام کے ذریعے مطلع کیا۔ ''تمام ہوا باز اپنے اپنے فائرنگ کے سوئچوں کو چیک کر لیں۔ دشمن کا ٹھکانا صرف ایک منٹ دور رہ گیا ہے۔

اور پھر چند سیکنڈ بعد پاکستانی طیارے حملے کی تیاری کی غرض سے تیر کی طرح آسمان میں بلند ہونا شروع ہوئے۔ اسکواڈرن لیڈر شبیر حملے کی تفصیل کچھ یوں بتاتے تھے۔

''انٹرکام پر میں نے اپنے ساتھیوں کو دشمن کے ہوائی اڈے کی پوزیشن بتائی جہاں کینبرا بمبار اور لڑاکا ہنٹر طیاروں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ اس پر مجھے چاروں ساتھیوں کی صاف اور پرعزم آواز میں جواب ملا۔ ''ہم آپ کے ساتھ ہیں۔'' تب میں نے پہلے حملے کے لیے غوطہ لگایا اور اپنے ساتھیوں کو دشمن کے جہازوں کی پوزیشن بتائی۔ وہ ہوائی اڈے کے مغربی حصے میں کھڑے تھے۔ میں نے ایک قطار میں کھڑے کینبرا طیاروں میں سے پہلے پر نشانہ باندھا اور جونہی میں نے اپنی مشین گنوں کی لبلبی دبائی، پچاس ایم ایم کی آتش گیر گولیاں دشمن کے طیاروں کے سامنے برسنے لگیں۔ گولیوں کی گھنی برسات نے دشمن کے طیاروں کو چھلنی کر دیا اور قبل اس کے کہ میں ہاتھ روکتا، وہ شعلوں کی لپیٹ میں تھے۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ میرے ساتھی سارے ہوائی اڈے کو گولیوں سے شعلہ زار بنانے میں مصروف تھے۔

ہم دوسرے حملے کی تیاری کے لیے پر تول رہے تھے کہ میرے نائب فلائٹ لیفٹیننٹ بصیر نے اطلاع دی کہ دشمن کے تین ہنٹر طیارے ہوائی اڈے کا چکر لگا رہے ہیں۔ ہم ان سے دو دو ہاتھ کرنے کو تیار ہو گئے مگر معلوم ہوتا تھا کہ دشمن لڑنے کے لیے تیار نہیں۔ چنانچہ ہم نے دوسرے حملے کے لیے غوطہ لگایا لیکن ابھی نیچے روانہ ہی

ہو رہے تھے کہ دشمن کی طیارہ شکن توپیں جو اب تک خاموش تھیں، گرجنے لگیں اور ان کے گولے سیٹیاں بجاتے ہوئے ہمارے چاروں طرف فضا میں پھٹنے لگے جیسے آتش بازی کے رنگارنگ پٹاخے پھٹ رہے ہوں۔ یہ فائرنگ ہمارے عزائم کی راہ میں مزاحم نہ ہو سکی۔ ہمارے ساتھیوں نے نیچے پہنچ کر راکٹوں اور گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ کینبرا اور ہنٹر طیاروں کے پرخچے اڑنے لگے۔ ہماری فائرنگ تیز بھی تھی اور درست بھی۔ اس سے زیادہ تباہ کن فائرنگ ممکن نہ تھی۔ ہر سیبر طیارے کی مشین گنیں ایک سیکنڈ میں ایک سو بیس گولیاں اگل رہی تھیں۔ ان کی زد میں جو طیارہ آیا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ہم واپس لوٹے تو شعلوں اور دھوئیں کے پندرہ مرغولے دشمن کے طیاروں کی تباہی کی داستان لکھ رہے تھے۔

میں نے فارمیشن کو 'چیک ان' کہا۔ اور چار مانوس آوازیں "کانٹیکٹ!" بلند ہوئیں۔ اور ہم نے گھر کی راہ لی۔ موسم خراب ہو رہا تھا۔ سامنے بہ مشکل ہی کوئی چیز صاف نظر آ سکتی تھی لیکن ہم ایئر ٹریفک کنٹرولر آفیسر کھوکھر کی شناسا آواز کی مدد سے اپنے اڈے پر پہنچ گئے۔ وہ آدھے گھنٹے سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

ہمارا دستہ صبح 4 بج کر 44 منٹ پر یعنی اپنی مہم پر روانگی کے ٹھیک ایک گھنٹے اور تیرہ منٹ بعد صحیح سلامت شادماں و کامران اپنے ہوائی اڈے پر واپس پہنچ گیا۔ اس مختصری مدت میں پی اے ایف سیبر طیارے دشمن کے گیارہ کینبرا اور دو ہنٹر طیاروں کو تباہ کر چکے تھے۔ ان کے علاوہ چار کینبرا اور دو ہنٹر طیاروں کو ہم نے نقصان پہنچایا تھا۔"

پاکستانی طیارے جس وقت کلائی کنڈہ میں تباہی مچا رہے تھے، دشمن کے کئی جہاز ڈھاکہ کی طرف بڑھتے ہوئے جیسور میں دیکھے گئے لیکن جیسے ہی پاکستانی ہوا بازوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی، وہ اپنے علاقوں میں بھاگ گئے۔

کلائی کنڈہ میں دیئے گئے سبق کو ناکافی سمجھتے ہوئے پاکستانی جانبازوں نے دشمن پر ایک اور حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی تیاری پہلے حملے کے دو گھنٹے بعد شروع کر دی گئی اور کچھ دیر ہی چار سیبر طیارے بھارت کی فضا میں پرواز کر رہے تھے۔

اس دستے کی قیادت فلائیٹ لیفٹیننٹ حلیم کر رہے تھے۔ پاکستانی ہواباز کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے پر بقیہ جہازوں کو تباہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے تھے لیکن جونہی وہ حملہ کرنے کے لیے بلند ہوئے، انہیں دشمن کے جہازوں کا ایک جھنڈ نظر آیا جو انہیں روکنے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ طیارے تعداد میں سولہ تھے۔ پاکستانی ہوا بازوں نے فضائی جنگ میں پینترا بدلنے کی سہولت کے لیے فوراً اپنی ٹنکیوں سے فاضل ایندھن خارج کر کے انہیں ہلکا کر لیا۔ اس دوران وہ کلائی کنڈہ پر گولیاں برسانے سے بھی نہیں چوکے۔ انہوں نے موقع ملتے ہی راکٹوں اور گولیوں سے چند راؤنڈز فائر کیے۔ ہوائی اڈہ دھوئیں کے بادل میں ڈوب گیا اور شعلے لگے۔

ایک ہواباز فلائنگ افسر افضل نے اپنی ٹنکی کو ہلکا کرنے کے بعد ایک ہنٹر طیارے کو اپنی مشین گن سے نشانہ بنایا جو چند ہی لمحے بعد شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ ابھی وہ گولیاں برسا ہی رہے تھے کہ دشمن کے ایک اور ہنٹر نے عقب سے ان پر حملہ کر دیا۔ دشمن کا نشانہ ٹھیک تھا۔ فلائنگ افسر افضل کا طیارہ گولیوں سے نہ بچ سکا۔ وہ فوراً ہی تباہ ہو گیا اور وہ خود بھی شہید ہو گئے۔

دریں اثناء فلائٹ لیفٹیننٹ طارق حبیب نے دشمن کے چار طیاروں کو عقب سے اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔ انہوں نے اپنی ٹنکیوں کو ہلکا کرنے کے لیے لیور دبایا لیکن ان میں سے کسی پرزے کی خرابی کے باعث ایک ٹنکی نہ گر سکی۔ ان حالات میں انہوں نے اپنی ہمت نہ چھوڑی اور ذرا نہ گھبرائے۔ دشمن ان کے سر پر آ چکے تھے۔ انہوں نے جان پر کھیل کر ایک ہنٹر کو نشانہ بنایا جو تباہ ہو کر زمین پر جا گرا لیکن اس فضائی جنگ میں خود ان کا طیارہ بھی مجروح ہونے سے نہ بچ سکا۔ ان کے طیارے کے بازوؤں کی پتواریں جام ہو گئی تھیں۔ اس کے باوجود اپنی ماہرانہ صلاحیت اور تدبر سے انہوں نے دشمن کو اتنے چکر دیئے کہ وہ حیران رہ گئے اور پیچھا کرنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا دریں اثناء انہوں نے دشمن کے ایک اور طیارے کو نشانہ بنایا اور اس کے بعد انتہائی حیرت انگیز طور پر اپنے زخمی طیارے کو اپنے مستقر پر صحیح سلامت واپس لانے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ دشمن نے ان کو گھیرنے کی لاکھ کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی گرد کو بھی نہ پا سکا۔

انہوں نے نہ صرف اپنی جان بچالی بلکہ طیارہ بھی۔ یہ پی اے ایف کی معیاری تربیت کی ایک بین دلیل ہے۔ بے مثال جرات و شجاعت کے مظاہرے پر لیفٹیننٹ طارق کو 'ستارہ جرات' عطا کیا گیا۔ یہ اعزاز انہیں اس جنگ میں تین کینبرا اور ایک سی 119 طیارہ تباہ کرنے، اپنے آپ کو اور اپنے طیارے کو بچانے اور حملہ آور ہنٹر طیاروں کے چھکے چھڑا دینے کے سلسلے میں دیا گیا۔

پاکستان کے ان بہادر ہوابازوں نے ایک دن میں چودہ کینبرا اور تین ہنٹر طیارے تباہ کیے۔ اس کے علاوہ چار کینبرا اور تین ہنٹر طیاروں کو بری طرح نقصان پہنچایا جب کہ پاکستان کا صرف ایک طیارہ تباہ ہوا۔ یہ ایک عظیم کامیابی کا دن تھا۔ بھارت کی فضائی طاقت کا غرور کلائی کنڈہ کی مہم نے چکنا چور کر دیا۔

انبالہ ہوائی اڈے کی تباہی

رات آدھی کے قریب گزر چکی تھی۔ دھندلی دھندلی چاندنی نے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ پاکستان کے دو بمبار طیارے اس وقت بھارت کی فضا میں اپنے نشانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان طیاروں میں سے ایک میں کئی کامیاب مہموں کا ہیرو اسکواڈرن لیڈر نجیب احمد تھا۔ اس کی راہبری کے فرائض ولیم لی ہورنی کے سپرد تھے۔ دوسرے بمبار میں ونگ کمانڈر نذیر لطیف تھا۔ اس کا راہبر (نیوی گیٹر) اورنگ خان تھا۔

آج ان بمبار طیاروں کا نشانہ ایک ایسا ہوائی اڈہ تھا جو اپنی قدامت اور حفاظتی انتظامات کے اعتبار سے ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ پٹھان کوٹ، جام نگر، آدم پور اور ہلواڑہ کے اڈے پاک شاہینوں کے پے در پے حملوں سے ناکارہ ہو چکے تھے اور اب بھارتی فضائیہ کی بیشتر سرگرمیاں اس مضبوط قلعے کی طرف سمٹ آئی تھیں جسے نشانہ بنانے کے لیے یہ دونوں بمبار بھارتی فضا میں تیر رہے تھے۔

یہ انبالہ کا ہوائی اڈہ تھا جو اپنے محل وقوع اور دیگر جنگی مصلحتوں کی بناء پر تا حال پاک فضائیہ کی کاری ضربوں سے محفوظ تھا۔

دونوں بمبار طیاروں کے پائلٹوں نے انبالہ ہوائی اڈے کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ انہیں معلوم ہوا تھا کہ وہاں کا دفاعی حصار بہت مضبوط ہے۔ وہاں جدید ترین ریڈار اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل نصب ہیں۔ چپے چپے پر طیارہ شکن توپیں اور مشین گنیں لگی ہوئی ہیں۔ بیشتر فضائی کارروائیاں یہیں سے ہوتی ہیں اس لیے حفاظتی عملے کی آنکھ ہر وقت کھلی

رہتی ہے اور یہ سب کچھ گویا ایک چیلنج تھا جسے ہماری فضائیہ نے قبول کر لیا تھا اور اب ہمارے ان دونوں شاہینوں کو بھارت کی فضا میں کافی اندر جا کر دشمن کے اس چیلنج کا جواب دینا تھا۔

انبالہ قریب آ رہا تھا جہاں بقول بھارتی ماہرین فضائیہ، پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ جہاں بری نیت سے آنے والے کے لیے منٹوں، سیکنڈوں میں دہکتے ہوئے جہنم کو جنم دیا جا سکتا تھا۔

دونوں پائلٹوں نے اپنے طیارے نیچے کر لیے۔

''ٹارگٹ قریب آ رہا ہے۔'' نیوی گیٹر نے پائلٹوں کو خبردار کیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں ہوا باز میدان کارزار میں کام آنے والے آلات کا جائزہ لینے لگے۔ ان آلات کی چیکنگ بہت ضروری ہے کیونکہ موقع واردات پر ایک ادنیٰ سی خرابی عظیم ترین نقصان کا باعث بنتی ہے۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر انہوں نے اپنے طیاروں کو اور نیچا کر لیا۔ نہایت ہلکی چاندنی ہمارے ان ہوا بازوں کو فائدہ نہ پہنچا سکی تھی۔ یوں معلوم ہوا جیسے بیک وقت ہزاروں بجلیاں کوند گئی ہوں۔ دشمن کو ہمارے طیاروں کی آمد کا پتا چل گیا تھا۔ اس نے ہوائی اڈے کے مختلف گوشوں سے اتنی زبردست فائرنگ کی تھی کہ فضا کا یہ ٹکڑا بقعہ نور بن گیا تھا۔ ماحول دھماکوں کی شدت سے لرزتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ جب گولوں اور گولیوں سے فضا کا ایک مربع گز ٹکڑا بھی محفوظ نہ رہا تو ظاہر ہے کہ ہمارے طیارے ان سے کیوں بچ سکتے تھے۔ آتش و آہن کی بوچھاڑ کے ساتھ طیارے ڈول رہے تھے۔ کئی گولیاں طیاروں کے پروں سے پار ہو گئیں۔ کئی گولے طیاروں کے اتنے قریب سے نکلے کہ طیارے متزلزل ہو گئے۔ اس صورت حال کے باوجود فضل خداوندی سے دونوں طیارے تا حال اس پوزیشن میں تھے کہ موقع ملتے ہی دشمن پر موت کی بارش کر دیں مگر بات بن نہیں رہی تھی۔ گولوں کی اس قیامت خیز بارش میں ہوائی اڈے کے خصوصی ٹھکانوں کو تلاش کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ وہ موت کو دعوت بھی دے گزرتے اگر اس جانفروشی کے عوض انہیں کارروائی کا موقع مل جاتا اور پھر قدرت کو جیسے ان پائلٹوں کے عزم صمیم پر پیار آ گیا۔ ہمارے ایک پائلٹ کو دشمن کی اندھا دھند فائرنگ کی روشنی میں ہوائی اڈے کے وہ شیڈز نظر آ گئے جن میں طیاروں کو رکھا جاتا ہے۔ اب نشانہ مل چکا تھا مگر جونہی ہمارے بمبار طیارے اس نشانے کی طرف بڑھے، فضا میں ٹنوں کے حساب سے بارود بکھر گیا لیکن اس کے جواب میں پاکستانی طیارے نے ایک ایک ہزار پونڈ کے چار عدد بموں سے جو دھماکہ پیدا کیا، وہ اس درجہ دہشت ناک تھا کہ سارا ماحول کانپ اٹھا۔ یہ بڑی ہی کاری ضرب تھی اور پھر تو جیسے پاک شاہینوں نے اپنی جان کو ہتھیلیوں پر رکھ لیا۔ وہ ہر خطرے سے بے نیاز دھڑا دھڑ غوطے لگانے لگے۔ ہر غوطے کے ساتھ بم پھٹتے اور زمین لرز لرز جاتی۔ ہمارے شاہینوں کا گرایا ہوا ہر بم اپنی قیمت وصول کر رہا تھا۔ ویسے بھی اب انڈین ایئر فورس کے آتش زدہ جہازوں نے خاصی روشنی کر دی تھی اور اب انہیں اپنے ٹھکانوں کو تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ انہوں نے بھارتی طیاروں کو چن چن کر تباہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کے طیارے اسلحے سے بالکل خالی ہو گئے۔ اب ہمارے طیاروں کا رخ پاکستان کی طرف تھا وہ بخیر و خوبی اپنے اڈے پر پہنچ گئے۔ یہاں جب ان جہازوں کو دیکھا گیا تو ان کے ڈھانچے اور پروں پر کئی سوراخ تھے اور یہ بتانے کی تو ضرورت ہی نہیں تھی کہ اس قسم کا ہر سوراخ اگر رضائے الٰہی شامل نہ ہو تو طیارے کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

یہ مہم کس قدر مخدوش تھی۔ اس کے بارے میں نجیب احمد اپنے تاثرات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

''انبالہ کے ہوائی اڈے پر دشمن کا فائر اتنا شدید اور بھیانک تھا کہ شاید ہی کہیں اور دیکھنے میں آیا ہو۔ اس سے قبل میں بلواڑہ، آدم پور، جام نگر اور جودھپور کے ہوائی اڈوں پر بمباری کر چکا تھا اور ان اڈوں پر بھی ہماری مزاحمت میں بے شمار طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے حصہ لیا تھا مگر انبالہ کے توپچیوں نے تو کمال ہی کر دکھایا۔ فضا کو گولوں سے اس طرح بھر دیا تھا کہ ایک پرندے کو بھی راہ پرواز نہ مل سکے مگر شکر ہے پاک پروردگار کا کہ میرا طیارہ دشمن کے ہر مہلک وار سے محفوظ رہا۔ اس کے باوجود کہ کئی بار مقصد کی تکمیل کے لیے میں نے خود کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔''

فلائٹ لیفٹیننٹ یوسف علی خان

یوسف علی خان کا خاندان حیدر آباد (دکن) سے ہجرت کر کے پاکستان آیا تھا۔ 1950ء میں کراچی میں فضائیہ کی ایک نمائش منعقد ہوئی جس میں یوسف علی خان نے بھی ہوا بازوں کے کرتب دیکھے۔ ان فضائی کرتبوں کا یوسف علی خان پر ایسا اثر ہوا کہ وہ ہوا باز بننے کے لیے دیوانے ہو گئے اور اسی دن سے اپنی زندگی کا مقصد ہوا بازی قرار دے دیا۔ 1953ء میں وہ پاک فضائیہ میں بھرتی ہوئے تھے۔

ستمبر 1965ء میں بھارتی جارحیت کے خلاف انہوں نے فنی مہارت اور حب الوطنی کے جو بے مثال کارنامے دکھائے، ان میں سے چھمب کا معرکہ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔

یوسف علی خان اپنے رفیق کے ساتھ چھمب پر گشتی پرواز کر رہے تھے۔ دونوں نصف گھنٹے سے اپنی زمینی فوج کے اوپر پرواز کر رہے تھے۔ نیچے دشمن کی فوج بری طرح پسپا ہو رہی تھی اور انڈین ایئر فورس کے طیارے کسی وقت بھی اپنی الٹی پیش قدمی کرتی فوج کی مدد کے لیے آ سکتے تھے۔ پاک فضائیہ کے دو طیارے ان کی متوقع آمد سے خبردار تھے۔

اچانک انہیں چار طیارے دائیں طرف تیرتے نظر آئے۔ یوسف تیل کی فالتو ٹنکیاں پھینک کر جھڑپ کے لیے تیار ہو گئے اور اپنے ساتھی خالق کو بھی فالتو ٹنکیاں پھینک دینے کی ہدایت کی۔ یوسف نے ٹنکیاں پھینکتے ہی طیارہ ایک طرف گھمایا اور بڑی پھرتی سے پینترے بدل کر ایک نیٹ طیارے کو گھیر لیا۔ وہ اس پر اپنی گرفت مضبوط کر ہی رہے تھے کہ خالق کی آواز سنائی دی ''لیڈر! میری ٹینکیاں گرتی نہیں۔''

خالق معرکے کے قابل نہ تھا کیونکہ ایک تو ٹینکیوں کے بوجھ سے طیارہ پینترے نہیں بدل سکتا تھا جو جنگ کے دوران بدلنے پڑتے ہیں۔ دوسرے فالتو ٹینکیوں کی موجودگی طیارے کے لیے مستقل خطرہ ہوتی ہیں۔ ایک لمحے کے لیے یوسف بھی چونک گئے کیونکہ اب ساری ذمے داری ان کی اپنی ذات پر تھی لیکن انہوں نے نیٹ کا تعاقب نہ چھوڑا اور خالق کو تسلی دی۔ ''پروا نہیں! تم میرے پیچھے رہنا۔''

خالق اس کے عقب میں ہو گیا۔ یوسف نے نیٹ کے تعاقب میں اپنی رفتار انتہائی تیز کر رکھی تھی۔ خالق اپنی فالتو ٹینکیوں کے بوجھ کے باعث اس کا ساتھ نہ دے سکا اور پیچھے رہ گیا۔ یوسف جس طیارے کے پیچھے لگا ہوا تھا، وہ طرح طرح کے داؤ مار کر اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن یوسف نے اپنی گرفت اس پر مضبوط کر لی اور فائر کر دیا۔ عین اسی وقت ان کا اپنا طیارہ لرز اٹھا۔ یوسف نے جلدی سے گھوم کر دیکھا۔ وہ نیٹ

طیارے اس کے تعاقب میں تھے۔ ان میں سے ایک فائر کر رہا تھا لیکن خوش قسمتی سے بوچھاڑ طیارے پر ایسی جگہ لگی جہاں گولیاں سوراخ کرتی گزر گئیں اور پھٹ نہ سکیں۔

دشمن کے دونوں طیارے بڑی تیزی سے اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ یوسف کے پاس ان کو اپنے تعاقب سے جھٹکنے کا ایک ہی داؤ تھا لیکن یہ داؤ دل گردے والے ہوا باز ہی لگا سکتے ہیں۔ یوسف نے معرکے کی نزاکت دیکھتے ہوئے فیصلہ کرلیا۔

اس کا طیارہ پلک جھپکتے میں اوپر اٹھا اور الٹا ہو کر پیچھے کی طرف قلابازی کھا گیا۔ یہ پینترا اس قدر اچانک اور کامیاب تھا کہ دشمن کے جو طیارے اس کے تعاقب آ رہے تھے، وہ اس کے نیچے سے آگے نکل گئے لیکن یوسف کی طرف الٹی زقند لگانے کی ہمت نہ کر سکے۔ یوسف بھی یہی چاہتے تھے لیکن ایک دم الٹا ہو جانے سے ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ انہوں نے طیارے کو سیدھا کر کے سر کو جھٹکا، اندھیرا دور ہو چکا تھا۔ انہوں نے ان طیاروں کے تعاقب میں جانے سے پہلے پیچھے دیکھا کہ کوئی طیارہ اب تو تعاقب میں نہیں ہے۔ وہاں دشمن کا طیارہ تو کوئی نہ تھا لیکن جو منظر نظر آیا وہ واقعی حوصلہ شکن تھا۔ ان کے طیارے کی دم کا پر جس سے جہاز کو اوپر اٹھایا اور غوطے میں ڈالا جاتا ہے۔ ایک طرف سے بالکل ٹوٹ چکا تھا۔ اب فضائی معرکہ لڑنا اس طیارے کے بس کی بات نہیں تھی، لیکن یوسف یہ بھی نہ چاہتے تھے کہ جن کی خاطر انہوں نے یہ جان لیوا پینترا بدلا ہے، وہ ہاتھ سے نکل جائیں۔ خطرے سے آنکھیں موند کر انہوں نے طیارہ ایک بار پھر تعاقب میں لگا دیا۔

دشمن کے طیاروں کو بھی یوسف کا زخمی طیارہ نظر آ گیا۔ وہ سمجھ گئے کہ پاک فضائیہ کا یہ پائلٹ ان کے لیے زیادہ نقصان دہ نہیں رہا۔ اور کچھ ہی دیر بعد فضائی معرکے کی صورت بدل گئی۔ فضا میں چار بھارتی اور دو پاکستانی طارے دائرے کی شکل میں جھپٹ جھپٹ کر ایک دوسرے پر فائر کر رہے تھے لیکن یوسف ان کے ہر وار کو بیکار کر رہا تھا۔

یونہی ایک دوسرے کے داؤ پیچ سے الجھتے تمام طیارے ڈیڑھ ہزار فٹ کی بلندی تک آ گئے اور اب ان کی بلندی تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ اچانک دشمن کے ہوا باز معرکے سے علیحدہ ہو گئے اور اپنے ملک کی طرف پرواز کر گئے۔ شاید ان میں مقابلے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

یوسف نے ان کو بھاگتے دیکھا تو ان کے تعاقب میں پھر دوڑ پڑا۔ اس پر ہیجان انگیز کیفیت طاری تھی۔ زخمی ہونے کے باوجود اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ دشمن کو کچا چبا جائے۔

تیز رفتار نیٹ پوری رفتار سے اپنے ملک کی طرف بھاگ رہے تھے۔ یوسف نے بھی پورا تھراٹل کھول دیا لیکن اس کا زخمی طیارہ اس رفتار پر جھنجھنانے لگا۔ تعاقب ممکن نہ تھا۔ بڑی بددلی سے انہوں نے اپنا طیارہ واپس موڑنے کی ٹھانی۔

عین اسی وقت پاک فضائیہ کا ایک اسٹار فائٹر ایف 104 ادھر سے گزرا۔ اس کے ہوا باز نے جب دیکھا کہ دشمن کے ہوا باز بھاگ رہے ہیں اور پاک فضائیہ کا ایک زخمی طیارہ نامراد واپس آ رہا ہے تو اس کا خون کھول اٹھا۔ اس نے فوراً طیارہ گھمایا اور ان چاروں کو جا لیا اور پھر چاروں بھارتی ہوا باز جو تیز رفتار جیٹ اڑا رہے تھے، اپنے ہوش و حواس بھی کھو بیٹھے۔ ایک ہوا باز تو اس قدر بوکھلا گیا کہ اپنی دھرتی کا رستہ بھی بھول گیا اور پسرور کے قریب آ اترا۔ یہ انڈین ایئر فورس کے ایک فائٹر اسکواڈرن کا کمانڈنگ آفیسر، اسکواڈرن لیڈر برج پال سنگھ تھا۔

واپسی کے وقت یوسف نے اپنے طیارے کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ پرواز کے تقریباً ناقابل تھا۔ طیارے کا زمین پر اترنے کا سارا نظام بیکار ہو چکا تھا۔ بریکوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ طیارے کی دم کا ایک پر زخمی ہو چکا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا وائرلیس سیٹ بھی بیکار ہو چکا تھا۔

ان تمام خرابیوں کے باوجود یوسف بالکل نہ گھبرایا اور اپنے طیارے کو اڈے کے اوپر تک لے آیا۔ اڈے کے اوپر پہنچ کر جب اس نے پہیے کھولنے والا لیور کھینچا تو یوسف پہلی بار گھبرا گیا۔ اس کا بایاں پہیا پوری طرح نہیں کھلا تھا۔ اس نے ایمرجنسی سسٹم سے بھی پہیا کھولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اب طیارے کو ہوائی اڈے پر اتارنا ناممکن سا ہو گیا۔ صرف ایک طریقہ تھا کہ وہ "وفادار طیارہ جو اسے زخمی حالت میں یہاں تک لایا تھا، تباہ ہو جاتا۔ یوسف نہیں چاہتا تھا کہ جو طیارہ دشمن کے ہاتھوں تباہ نہیں ہو سکا، اسے وہ اپنے ہاتھوں تباہ کر دے لیکن اب مزید پروا بھی اس کے بس میں نہ تھی کیونکہ طیارے کا تیل ختم ہونے والا تھا۔ یوسف نے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا اور ہوائی اڈے پر موجود لوگوں کو اطلاع دینے کے لیے تیار ہو گیا کہ میں "کریش لینڈنگ" کرنے والا ہوں، حفاظتی انتظامات کیے جائیں۔ اسٹیشن پر موجود لوگوں کو اطلاع دینے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ وہ طیارے کو تین سو فٹ کی بلندی پر لا کر رن وے کے اوپر سے گزرا اور طیارے کے پر ہلائے۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ میرے طیارے میں شدید نقص ہے۔ اگلے لمحے زمین پر آگ بجھانے والا انجن، ایمبولینس اور دو تین گاڑیاں اسٹارٹ ہو گئیں کہ طیارہ اترتے وقت آگ پکڑے تو ہوا باز کو صحیح سلامت نکالا جا سکے۔ اسٹیشن پر موجود ہر آدمی کی نگاہ مصیبت زدہ طیارے پر تھی۔

جب یوسف نے دیکھا کہ تمام حفاظتی انتظامات پورے ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس نے طیارے کو گھمایا اور رن وے کی سیدھ میں لے آیا۔ جچی تلی لینڈنگ کے مطابق طیارہ زمین سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ یوسف حتی الامکان طیارے کو اپنے قبضے میں کیے ہوئے تھے۔ اسے یقین تھا کہ زمین پر اترتے ہی طیارہ پیٹ (Belly) کے بل بیٹھ جائے گا اور پھر اللہ معلوم، کیا ہو؟

زمین بالکل قریب آ گئی تھی اور پھر طیارے کے پہیے زمین کو چھوتے ہی اچھی بھلی حالت میں گھومنے لگے۔ بریکیں اب بھی بیکار تھیں۔ اس نے انجن بند کر دیا اور طیارہ صحیح سلامت ذرا آگے جا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک معجزہ رونما ہو چکا تھا۔ یوسف طیارے سے مسکراتا ہوا باہر آیا۔ جس نے اس منظر کو دیکھا، محو حیرت رہ گیا۔ بعد میں طیارے کو ٹیکنیکل افسروں اور فنی ماہرین نے دیکھا تو انگشت بدنداں رہ گئے۔ وہ حیران تھے کہ یوسف اس طیارے کو اڑاتا کیسے رہا؟ لیکن یوسف کا کہنا ہے۔ "یہ سب اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین اور عزم کا کرشمہ ہے۔"

اسکواڈرن لیڈر سجاد حیدر

اسکواڈرن لیڈر سجاد حیدر کو بچپن ہی سے پائلٹ بننے کا شوق تھا۔ یہی شوق اور لگن 1953ء میں پاک فضائیہ میں لے آئی جہاں انہوں نے اپنے آپ کو ایک بہترین پائلٹ اور اسکواڈرن لیڈر تسلیم کرایا، لیکن ان کے شوق اور لگن کا اصلی امتحان 6 ستمبر 1965ء سے شروع ہوا۔ اس دن امرتسر وا ہگہ روڈ پر دشمن کی بے تحاشہ بڑھتی ہوئی فوج پر پہلی بمباری کا فرض سجاد حیدر کے اسکواڈرن کے

سپرد کیا گیا تھا۔ اس اسکواڈرن کے چھ طیارے پہلی بار ایک ہیبت ناک روپ دھار چکے تھے۔ پرواز سے قبل سجاد حیدر نے اپنے ساتھیوں کو کچھ ضروری ہدایات دیں اور پھر چند لمحے بعد چھ طیارے سجاد حیدر کی قیادت میں امرتسر کی طرف پرواز کر رہے تھے۔ ان کا فرض بڑھتے ہوئے دشمن کی سپلائی لائن تباہ کرنا تھا اور یہ کام صرف فضائیہ ہی کر سکتی تھی۔

چند ہی لمحوں میں چھ طیارے اپنی برسرِپیکار فوجوں سے گزر کر امرتسر تک جا پہنچے۔ یہ ایک مشاہداتی اڑان تھی۔ امرتسر سے واپسی پر انہیں ایک بہت بڑا فوجی قافلہ لاہور کی طرف رواں نظر آیا۔ اس قافلے میں فوجی گاڑیوں کے علاوہ کئی ٹینک بھی تھے۔ سب لاہور کی طرف بڑی تیزی سے جا رہے تھے کیوں کہ 6 ستمبر کی رات کو انہیں لاہور میں ''جشنِ فتح'' منانا تھا۔

تمام طیارے غوطہ لگا کر بھارتی کانوائے کے اوپر آ گئے۔ طیاروں کی بلندی اس وقت اتنی کم تھی کہ گاڑیوں میں بیٹھے فوجی صاف دکھائی دے رہے تھے اور پھر چند لمحے پیشتر جو قافلہ لاہور پر یلغار کرنے جا رہا تھا رستے میں ہی اپنے سر پر موت کو منڈلاتے دیکھ کر سراسیمہ ہو گیا۔ ''ویر جوانوں'' کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ ایسے نازک موقعوں پر گاڑیوں اور ٹینکوں کو جنہیں ان کی حکومت نے جنتا کا پیٹ کاٹ کاٹ کر حاصل کیا ہے، درختوں کے نیچے یا آڑ موڑ میں لیجاتے ہیں تاکہ پرواز کرتے ہوئے طیارے صحیح ٹارگٹ تلاش نہ کر سکیں۔ سب نے بدحواس ہو کر اپنے ٹینکوں، جیپوں اور ٹرکوں سے چھلانگیں لگا دیں اور پھر جو قافلہ لاہور کو ''فتح'' کرنے جا رہا تھا، وہیں جام ہو گیا۔ اب تمام گاڑیاں اور ٹینک اپنے آقاؤں کی بزدلی کے باعث پاک فضائیہ کے رحم و کرم پر تھے۔ سب سے پہلے فارمیشن کے لیڈر حیدر نے نشانہ لیا اور راکٹوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس کے باقی ساتھیوں نے بھی غوطے لگائے اور راکٹ اور گولیوں کی بارش کر دی اور پھر جیسے ان پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی ہو۔ ایک کے پیچھے ایک اٹھتا، جھپٹتا گیا چھ ہوابازوں نے چھ چھ جھپٹے مارے اور اپنے طیاروں میں موجود سارا اسلحہ ختم کر دیا۔ ایمونیشن ختم کرنے کے بعد جب وہ اوپر اٹھے تو نیچے ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا اور لاتعداد گاڑیاں شعلے اگل رہی تھیں۔ اسی دن تیسرے پہر سجاد حیدر کے اسکواڈرن کا دوسرا شاندار کارنامہ پٹھان کوٹ پر کامیاب حملہ تھا۔ وہی پٹھان کوٹ جہاں فضائی عفریت مگ (MIG) طیاروں کو تباہ کر دیا گیا تھا۔ اس دن سجاد حیدر سے ساتھ سات ہواباز اور تھے۔ سجاد حیدر ان کا لیڈر تھا۔ تمام ہواباز ٹارگٹ تک بغیر کسی مدافعت کے پہنچ گئے لیکن اڈے پر پہنچتے ہی بھارتی طیارہ شکن توپوں نے اپنا ''فرض'' ادا کرنا شروع کر دیا۔ اسی گھن گھرج میں آٹھوں شہباز اوپر اٹھے اور طیاروں کو غوطے میں ڈال دیا۔ ان کا ٹارگٹ رن وے پر کھڑے طیارے تھے۔ سب نے الگ الگ اپنا اپنا شکار منتخب کیا اور جب وہ غوطے سے اٹھے تو انڈین ایئر فورس ان طیاروں سے محروم ہو چکی تھی۔ اسی لیے سجاد حیدر کو مگ (MIG) دکھائی دیے۔

''یہاں مگ بھی ہیں۔ سب کو ختم کر دو۔'' لیڈر کی آواز تمام طیاروں کے وائرلیس سیٹوں پر گونجی اور تمام ہواباز اوپر اٹھ کر پھر غوطے میں چلے گئے۔ اب ان کا نشانہ مگ تھے۔ سب نے اپنے اپنے ٹارگٹ چن لیے اور پھر ایک ہولناک کھیل شروع ہو گیا۔ ہواباز غوطوں سے اٹھ رہے تھے۔ ہر ہواباز انفرادی طور پر زیادہ سے زیادہ نقصان کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس جنونی کیفیت میں صورتِ حال یہ ہو گئی کہ خود پاک فضائیہ کے طیارے غوطے سے اٹھتے اور غوطے میں جاتے وقت ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے۔ جنگی تربیت ختم ہو گئی۔ ہر ہواباز منفرد جنگ لڑ رہا تھا۔ وہ جہاں بھی کوئی شکار دیکھتا، وہیں غوطہ لگا دیتا۔ خواہ اس نشانے پر کوئی اور بھی غوطے میں کیوں نہ ہو۔ سجاد حیدر نے اس معرکے کی تفصیل یوں بیان کی۔ میں نے ایک مگ دیکھا جو ابھی تک میرے ہوابازوں کی زد سے محفوظ تھا۔ میں نے اس پر غوطہ لگایا۔ غوطے سے میری نظر جو سامنے پڑی تو میں نے دیکھا کہ مجھ سے مخالف سمت میں میری فارمیشن کا ایک اور ہواباز بھی اسی مگ پر غوطے میں آ رہا ہے۔ اس کی اڑان سے پتا لگتا تھا کہ وہ مگ کو زد میں لے چکا ہے۔ میں نے فوراً اپنا طیارہ ایک طرف کر لیا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو ہم دونوں مگ کو تو ضرور تباہ کر دیتے لیکن غوطے سے اٹھتے وقت یقیناً آمنے سامنے ہو کر ٹکرا جاتے۔'' اس سے پہلے حملے میں انہوں نے مجموعی طور پر سات مگ، پانچ مسٹیئر اور دو ٹرانسپورٹ طیاروں کے علاوہ ہوائی اڈے کی اہم عمارت کو بھی تباہ کیا۔

جنگ کے دوران اسکواڈرن لیڈر سجاد حیدر نے مجموعی طور پر دشمن کے چار طیارے اور گیارہ ٹینک تباہ کیے اور کئی کو نقصان پہنچایا۔

اسکواڈرن لیڈر عظیم داؤد پوتا

اسکواڈرن لیڈر عظیم داؤد پوتا بمبئی میں 1933ء میں پیدا ہوئے۔ ثانوی تعلیم ڈی۔ جے کالج کراچی سے حاصل کر کے 1955ء میں فضائی کمیشن حاصل کیا۔ جنگ کے دوران میں عظیم داؤد پوتا نے زیادہ تر اڑانیں اپنی بری فوج کو فضائی مدد دینے کے لیے کیں۔ مسلح دشمن کے اوپر پرواز کرنا خطرناک ہوتا ہے لیکن داؤد پوتا اپنے اسکواڈرن کے ساتھ جب بھی دشمن کی زمینی فوج پر حملے کے لیے گئے، کامیاب اور کاری ضرب لگا کر لوٹے۔ معرکے کے دوران میں انہوں نے اپنے ہوابازوں کو صحیح ہدایات دے کر دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ سترہ دنوں کی جنگ میں 21 ستمبر کا معرکہ ان کی اہم فضائی کامیابی کا دن ہے۔

21 ستمبر کو بھارتی فوج اپنی پوری طاقت سے ایک دفعہ پھر حملہ آور ہوئی تھی کیونکہ دو تین دن کے اندر اندر فائر بندی کے آثار نظر آ رہے تھے اور بھارت تمام دنیا میں پروپیگنڈہ کر چکا تھا کہ وہ لاہور ''فتح'' کر چکا ہے۔ اپنے دعوے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اس دن اس نے طوفانی یورش کی تھی۔ بیک وقت تمام چھوٹی بڑی توپیں لاہور کی طرف منہ کر کے دھاڑ رہی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ وہ آگ اور بارود کی بارش میں آگے بڑھ جائے گا لیکن پاک فضائیہ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کے ارادے خاک میں ملا دیے۔

عظیم اس دن اس سیکٹر میں دشمن پر دوسری پوزیشن کا لیڈر تھا۔ توپیں ابھی تک دھاڑ رہی تھیں۔ عظیم اور سیف الاعظم غوطے میں چلے گئے۔ غوطے سے سیدھے ہوتے ہی عظیم کے تیز رفتار طیارے کے سامنے والے شیشے سے ایک گدھ ٹکرا گیا اور اس کے خون سے شیشہ سرخ ہو گیا۔ عظیم کو اب اپنے سامنے سوائے خون کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اللہ اللہ کر کے چند لمحوں بعد وہ خون خود بخود صاف ہو گیا اور عظیم کو آس پاس کا ماحول صاف دکھائی دینے لگا۔ ایک نیچی اڑان میں وہ واہگہ سے جلو موڑ تک پہنچ گئے۔ یہیں انہیں جی ٹی روڈ کے برابر کئی میڈیم توپیں نظر آئیں۔ ان کے صرف دہانے باہر تھے۔ ان توپوں کو اوپر سے بھی درختوں اور ٹہنیوں سے بڑی مہارت کے ساتھ چھپایا گیا تھا پھر بھی وہ ان شہبازوں کی عقابی نظروں سے نہ بچ سکیں۔ اس وقت دونوں ہواباز درختوں کی بلندی پر پرواز کر رہے تھے۔

توپیں نظر آتے ہی وہ جھپٹنے کے لیے اوپر اٹھے۔ طیارہ شکن توپوں نے اپنا فائر ان کے ارادے کو بھانپتے ہوئے اور تیز کر دیا لیکن اتنی دیر میں عظیم اوپر اٹھ کر غوطے میں جا چکا تھا۔ اسی لمحے دشمن کی مشین گن کی بوچھاڑ عظیم کے طیارے کے پروں کو چھیدتی ہوئی گزر گئی۔ اس ضرب سے طیارہ ڈگمگا گیا لیکن عظیم نے اسے غوطے میں ہی رکھا۔ ٹارگٹ تک پہنچتے ہی اس کے طیارے سے راکٹ نکلے اور دشمن کی ایک گن کے ٹکڑے دور دور تک بکھر گئے۔ دوسرے ہوا باز نے بھی ایک توپ کا خاتمہ کر دیا تھا۔

اس جھپٹے سے اٹھ کر دونوں دوسرے جھپٹے میں چلے گئے۔ دو توپیں اور خاموش ہو گئیں اور پھر ہر غوطے میں وہ دشمن پر موت بن کر گرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس اسلحہ ختم ہو گیا۔ جب وہ اوپر اٹھے تو جی ٹی روڈ پر دونوں طرف جگہ جگہ دھواں اٹھ رہا تھا۔

ان کے اوپر آتے ہی فارمیشن کے باقی دو ہوا باز بھی اپنا فرض نبھانے غوطے میں چلے گئے اور اپنے لیڈر کی طرح اس وقت واپس آئے جب ان کے طیارے راکٹوں اور مشین گنوں کے بوجھ سے خالی ہو چکے تھے۔ اور جب یہ فارمیشن واپس اڈے کی طرف روانہ ہوئی تو دشمن کا توپ خانہ خاموش ہو چکا تھا۔

یہ 20 ستمبر کی شام کا ذکر ہے۔ ایک فوری ہدایت کے تحت جب ہمارے چار الیف 86 سیبر طیارے فضا میں گئے تو انہیں قصور اور لاہور کے علاقے میں گشتی پرواز کا حکم دیا گیا۔ ان طیاروں میں اسکواڈرن لیڈر علی چنگیزی، ان کے نمبر دو فلائٹ لیفٹیننٹ اظہر الحق ملک، فلائٹ لیفٹیننٹ سید نذیر احمد جیلانی اور فلائٹ لیفٹیننٹ امان اللہ خان تھے۔ اس وقت یہ چاروں طیارے بیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہے تھے۔ انہوں نے

لاہور سے کھیم کرن تک کا علاقہ اپنی اڑان میں سمیٹ لیا۔ وہ فضا میں ادھر ادھر خطرے کی بو سونگھتے رہے۔ اچانک ریڈیو کنٹرولر پر ہوا بازوں کو بتایا گیا کہ دشمن کے چار طیارے اپنے علاقے سے اٹھے ہیں۔ ان کا رخ شمال کی طرف ہے۔ یہ سنتے ہی پاک شاہینوں نے اپنے طیاروں کے رخ لاہور کی طرف پھیر لیے۔ انہیں جس سمت کی نشاندہی کرائی گئی تھی، اس کی رو سے یہ لاہور کا فضائی علاقہ ٹھہرتا تھا۔ اب ان ہوا بازوں کی نگاہیں ان عاقبت نااندیش بھارتی طیاروں کو ڈھونڈ رہی تھیں جنہوں نے پچھلے ”سبق“ فراموش کر کے لاہور ایسے تاریخی شہر کی فضا کو مکدر کرنے کی جسارت کی تھی۔ ہر ہوا باز اس خیال سے کہ کہیں دشمن بے خبری میں بم نہ گرا جائے، پوری طرح مستعد اور چوکس ہو گیا۔ معاً امان اللہ کو دو دھبے نظر آئے جو اس سے کافی دور نیچے کی جانب متحرک تھے۔ اس نے فوراً ہی اپنے ساتھیوں کو مطلع کیا اور جب یہ دھبے ذرا وضاحت کے ساتھ نظر آئے تو ہمارے ہوا بازوں نے ان سے دو دو ہاتھ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لڑائی کے دوران استعمال میں آنے والے آلات کو چیک کیا گیا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر جب پاک فضائیہ کے شاہینوں نے اپنے نشانے کا بھرپور جائزہ لیا تو پتا چلا کہ یہ بھارت کے ہنٹر طیارے ہیں۔ بھارت کو اپنے ان طیاروں کی کارکردگی پر بڑا ناز تھا۔

دو شاہینوں نے اپنے طیاروں کو ان ہنٹروں کو پیچھے غوطے میں ڈال دیا۔ اسی لمحے لیڈر چنگیزی کو دو اور ہنٹر نظر آ گئے۔ چنگیزی نے ان کو زد پر لینے کے لیے اپنے طیارے کو ان کی طرف موڑ دیا۔ نمبر 2 ملک ان کے پیچھے تھا۔ چار سیبر، چار ہنٹرز کو زد پر لینے میں مصروف ہو گئے۔ تعاقب میں جانے کے بعد چند ہی داؤ پیچ کھیلنے کے بعد فضائی معرکے کی صورت کافی دلچسپ ہو گئی۔ دشمن کے دو

طیارے ان کے پیچھے دو دشمن کے ہنٹرز اور ان کے پیچھے پھر دو پاک فضائیہ کے طیارے۔ آٹھ کے آٹھ طیارے ایک دوسرے کو زد پر لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ وقفے وقفے کے بعد فضا مشین گنوں کے فائر سے گونج رہی تھی۔ معرکہ پورے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ بھارتی ہوا باز اپنی موت کو اپنے پیچھے بڑی تیزی سے بڑھتا دیکھ کر طیارے کو کھلونے کی طرح اٹھا کر پیچ رہا تھا۔ اپنے آپ کو بچانے کے ساتھ ساتھ وہ ایک پاکستانی سیبر کو بھی اپنی زد میں لینے کی کوشش کر رہا تھا لیکن چنگیزی نے اسے فائرنگ کا موقع نہ دیا اور اسے شست میں لے کر فائرنگ کر دی۔ گولیوں کی بوچھاڑ آن واحد میں ہنٹر کی باڈی میں پیوست ہو گئی۔ بھارتی ہنٹر لرز اٹھا لیکن وہ پاکستانی سیبر کے تعاقب سے نہ ہٹا۔

”کیا یہ ہوا باز بھارتی ہی ہے؟“ چنگیزی نے دل میں سوچا ہوگا۔ ”ضرب کھا کے بعد تعاقب میں لگے رہنا تو ان کا شیوہ نہیں۔“

ہنٹر ابھی تک چنگیزی کے قبضے میں تھا۔ چنگیزی نے ایک اور بوچھاڑ فائر کر دی۔ یہ فائر کام کر گیا اور ایک بھارتی طیارہ فضائی معرکے سے سبکدوش ہو گیا لیکن اس کے ساتھ ہی بھارت کے چار نیٹ اچانک آن موجود ہوئے اور چنگیزی کے نمبر 2 ملک پر حملہ کر دیا۔ چونکہ یہ سب کچھ چشم زدن میں ہوا تھا لہٰذا ملک کو اپنے تعاقب کا احساس اس وقت ہوا جب ایک زبردست ضرب سے اس کا طیارہ ڈگمگا گیا۔ چوٹ کھا کر ملک نے بڑی پھرتی سے اپنا طیارہ ایک طرف گھما دیا لیکن بھارتی ہوا باز اس وقت ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ”ہوش“ میں تھے۔ نیٹ کا ایک ہوا باز ملک کے موڑ کی راہ میں آ گیا اور فائر کر دیا۔ ملک اس فائر سے تو بچ گیا لیکن اسی لمحے ایک اور نیٹ نے نیچے سے کافی لمبا برسٹ مارا۔ یہ برسٹ ملک

کے طیارے میں لگا۔ طیارہ شدید زخمی ہو چکا تھا۔ چار طیاروں کے الجھاؤ نے اس قدر مصروف کر دیا کہ وہ اپنے لیڈر کو بھی اطلاع نہ دے سکا۔ دشمن کے ہوا باز ملک کے زخمی طیارے کو اب بھی گھیرے ہوئے تھے۔ طیارے کی کاک پٹ دھوئیں سے بھر چکی تھی۔ ملک نے مزید ضربوں سے بچنے کے لیے آخری داؤ آزمایا۔ اس نے بے قابو زخمی طیارے کو مکمل کنٹرول میں لیا اور پھر اسے گہرے غوطے میں ڈال دیا۔ دشمن نے اس مرحلے پر اس کا تعاقب چھوڑ دیا۔ شاید وہ سمجھے کہ ہم نے پاکستانی شاہین کو ”مار گرایا“ ہے۔

نیچے آ کر ملک نے طیارے کو غوطے سے سیدھا کیا لیکن جہاز معرکہ لڑنے کے قابل نہ رہا تھا۔ وائرلیس بیکار ہو چکا تھا اور کاک پٹ میں دھوئیں کی وجہ سے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ملک چاہتا تھا کہ کسی طور طیارے کو اپنے اڈے تک لے آئے لیکن طیارہ بلندی میں جھٹکے کھانے لگا۔ اب اسے مزید فضا میں رکھنے کی جدوجہد کرنا خود اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنا تھا۔ ملک نے اپنے طیارے پر آخری نظر ڈالی اور دوسرے لمحے وہ طیارے سے باہر تھا۔

لاہور کی فضا میں معرکہ جاری تھا۔ اب دشمن کے سات اور پاک فضائیہ کے صرف تین طیارے تھے۔ چنگیزی کا نمبر 2 فضا میں نہیں تھا پھر بھی دشمن کے طیاروں سے الجھا ہوا تھا۔ امان اللہ اور جیلانی نیٹ طیاروں کی مشین گنوں کی بوچھاڑ میں لٹیروں کے تعاقب میں مصروف تھے۔ وہ دشمن کا ہر وار بیکار کر کے اپنے شکار پر گرفت مضبوط کر رہے تھے۔ جیلانی جس ہنٹر کے تعاقب میں تھا اس کا ہوا باز موت کی دہشت یا زندگی کے حصول کی خاطر بڑی تیزی سے طیارے کو دائیں بائیں گھما رہا تھا۔ اس کے پیچھے جیلانی بھی اسی طور بڑھتا چلا آ

رہا تھا۔ ہنٹر گن سائٹ میں آ گیا۔ فائرنگ کی آواز سے فضا تھرتھرائی۔ اگلے ہی لمحے ہنٹر آگ کا گولہ بن کر راوی کے پار جا گرا اور چند لمحے پیشتر جو انسان زندگی کے لیے جدوجہد کر رہا تھا اس کا جسم تو طیارے کے ساتھ ہی جل گیا لیکن سر طیارے سے دور الگ کٹا پڑا تھا۔ بھارتی اگر اپنے ہواباز کا یہ حشر دیکھ لیتے تو شاید وہ اس بے جان کھوپڑی کی کھلی آنکھوں سے کوئی ''سبق'' ضرور سیکھ لیتے۔

دوسرے طیارے کے گرتے ہی باقی بھارتی ہوا بازوں کو اپنی خیریت اسی میں معلوم ہوئی کہ وہ اپنے دیس کی طرف دوڑ لگا دیں۔ لاہور کا تاریخی معرکہ ختم ہو گیا۔ لاہور کے دلیر باسی جو سرحدوں پر جاری گولہ باری سے مانوس ہو چکے تھے فضائی جنگ میں اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے اپنے شاہینوں کی جیت بھی دیکھ چکے تھے۔

6 ستمبر کا سورج آہستہ آہستہ دنیا کے مغربی کنارے میں ڈوب رہا تھا۔ فضا دھندلی شفق کی لپیٹ میں تھی۔ پاک فضائیہ کے تین ہواباز فلائٹ لیفٹیننٹ یونس حسن، فلائٹ لیفٹیننٹ سیسل چودھری اور اسکواڈرن لیڈر سرفراز احمد رفیقی دشمن کے علاقے پر پرواز کر رہے تھے۔ ان کا نشانہ جالندھر سے چالیس میل جنوب میں ہلواڑہ کا ہوائی اڈہ تھا۔ اسکواڈرن لیڈر رفیقی کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ دشمن اپنی فضا میں پوری طرح چوکس ہے لیکن اب تک انڈین ایئر فورس کا کوئی بھی طیارہ ان کے راستے میں نہیں آیا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ زمین پر تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ لیڈر رفیقی کے ایک طرف فلائیٹ لیفٹیننٹ یونس حسن کا طیارہ تھا اور دوسری طرف سیسل چودھری کا طیارہ۔

شام گہری ہو جانے کی وجہ سے زمین پر کوئی چیز پہچانی نہ جاتی تھی۔ ایسی حالت میں زمین پر ہوائی اڈے کی صحیح نشاندہی خاصا مشکل کام تھا مگر یہ شاہین انڈین ایئر فورس کے بدحواس پائلٹ نہیں تھے جو ٹارگٹ کا صحیح تعین کیے بغیر اپنا بوجھ اتار آتے۔ اپنے مقصد میں کامیابی کا کوئی امکان نہ پا کر لیڈر رفیقی نے اپنے ساتھیوں کو وائرلیس پر کہا۔ ''چلو بھئی! لوٹ چلیں۔ اندھیرا کچھ نہ کرنے دے گا۔''

تینوں ہوا بازوں نے بددلی سے اپنے طیارے واپس گھما لیے لیکن وہ ابھی موڑ سے سیدھے بھی نہ ہوئے تھے کہ انہیں کئی ہنٹر طیارے دو دو کی ٹکڑیوں میں اپنی طرف آتے دکھائی دیے۔ رفیقی نے فوراً وائرلیس پر ساتھیوں کو اطلاع دی۔ ''فالتو ٹنکیاں پھینک دو اور مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

اگلے ہی لمحے تینوں طیاروں کے پروں کے نیچے لگی ہوئی فالتو تیل کی ٹنکیاں فضا میں گم ہو گئیں۔ سیسل چودھری مہم میں لیڈر کا نمبر 2 تھا۔ یونس نے جو لیڈر کے نمبر 2 کو دور دیکھا تو رفیقی سے کہا۔ ''لیڈر! نمبر 2 بہت پیچھے ہے۔ تم دشمن کے پہلے طیارے کو لے لو۔ میں دوسرے کو سنبھال لوں گا۔''

یہ اطلاع ملتے ہی رفیقی نے تیزی سے بڑھ کر دشمن کے ایک طیارے کو اپنی شست میں لے لیا اور دوسرے لمحے ان کے طیارے کی مشین گنوں میں سے آتش گیر گولیوں کی بوچھاڑ دشمن کے طیارے کی باڈی اور انجن میں پیوست ہو گئی۔ آسمان پر دھماکے کے ساتھ ایک مہیب شعلہ اٹھا۔ طیارہ فضا میں پھٹ چکا تھا۔ ہواباز کو طیارے سے نکلنے کی مہلت نہ ملی تھی اور طیارے کے ٹکڑوں کے ساتھ ساتھ ہواباز کے چیتھڑے بھی اسی کی دھرتی ماتا پر پھیل چکے تھے۔

ادھر یونس اکیلا دوسرے بھارتی طیارے کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ مقابلہ سیبر اور ہنٹر کا تھا۔ سیبر، ہنٹر کے سامنے کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا کیونکہ اس کی رفتار سیبر سے بہت تیز اور بناوٹ بھی جدید ترین تھی پھر بھی یونس اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ سیسل اپنے اس ساتھی کو دشمن کے طیارے کا تعاقب کرتے ہوئے بڑی محویت سے دیکھ رہا تھا کہ اس پر دو ہنٹر طیاروں نے حملہ کر دیا۔ رفیقی نے سیسل کو ''کاٹنگ'' کہہ کر خبردار کیا اور بڑی تیزی سے پینترا بدل لیا۔ سیسل دم کی طرح رفیقی کے طیارے کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ لیڈر کا یہ داؤ کامیاب رہا تھا، اور جو طیارے ان پر جھپٹنے کے لیے آئے تھے الٹے پاک شاہینوں کی زد سے بچنے کی ناکام کوشش رہے تھے۔ اسی لمحے بیشمار ہنٹرز ان کے آس پاس گرجنے لگے۔ سیسل نے اس کی اطلاع اپنے لیڈر کو دی تو انہوں نے پر عزم آواز میں جواب دیا۔ ''بس تم میرے عقب کا خیال رکھو۔ ہم انہیں چن چن کر ماریں گے۔''

رفیقی کی آواز میں عزم تھا۔ وہ اس سے پہلے چھمب کی فضائی جنگ میں دشمن کے دو طیاروں کو نشانہ بنا چکا تھا۔ اب اس کے لیے بھارتی جدید ترین اسلحے سے لیس طیارے بالکل بے ضرر تھے۔

رفیقی کے جواب نے سیسل میں نئی روح پھونک دی۔ ادھر رفیقی نے جو کہا تھا، وہ پورا بھی کر دکھایا۔ اس نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر بیک وقت دو ہنٹر طیاروں کو اپنی شست میں لے کر فائرنگ بٹن دبا دیا۔ اگلے ہی لمحے رفیقی کے کان دو مہیب دھماکے سننے کے لیے تیار تھے۔.......... لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ رفیقی کے طیارے کی مشین گنیں جام ہو گئی تھیں۔ یہ لمحہ ان کے لیے بڑا صبر آزما تھا۔ بیک وقت دو طیارے ان کی زد میں تھے لیکن گنیں خاموش ہو چکی تھیں۔ نہ جانے رفیقی نے اتنا اچھا شکار زد میں دیکھ کر جھنجھلاتے ہوئے کتنی بار فائرنگ کا بٹن دبایا ہو گا۔ ادھر معرکہ پورے عروج پر تھا اور ادھر پاک شاہینوں کا لیڈر نہتا ہو چکا تھا۔ یہ صورت حال ہوا باز کے لیے بہت خطرناک ہوتی ہے کیونکہ اب وہ صرف دفاع کر سکتا تھا، کسی کو معمولی سا نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا تھا۔ ہواباز کو ایسے موقع پر حق ہوتا ہے کہ وہ معرکے سے الگ ہو جائے اور خود کو اور طیارے کو بھی بچا لائے لیکن رفیقی نے ایسے موقع پر ساتھیوں کا ساتھ چھوڑنا قبول نہ کیا جبکہ معرکہ اپنے عروج پر تھا۔ انڈین ایئر فورس کے کئی طیارے ان کے اردگرد پرواز کر رہے تھے۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک فیصلہ کر چکے تھے بڑا عجیب اور اہم فیصلہ، اور وہ تھا نہتے ہو کر بھی جنگ میں ڈٹے رہنے کا فیصلہ، یہ جان لیوا فیصلہ رفیقی ہی کر سکتا تھا۔ ''میری گنیں جام ہو گئیں ہیں چودھری!'' رفیقی نے بڑی بددلی سے اپنے نمبر 2 کو اطلاع دی۔ ''تم میرے آگے آ جاؤ، میں تمہیں عقب سے کور کروں گا۔''

اس انوکھے فیصلے پر ایک لمحے کے لیے چودھری بھی سن ہو گیا۔ اس کا لیڈر نہتا ہو چکا تھا۔ اتنی دیر میں رفیقی نے سیسل کے آگے سے اپنا طیارہ ایک طرف کر لیا اور سیسل نے بڑھ کر اس کی جگہ لے لی۔ اپنے لیڈر کے اس دلیرانہ فیصلہ پر چودھری کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا۔ لیڈر نے اپنی جگہ اسے دے دی تھی۔ اب اسے اپنے لیڈر کی توقعات پر پورا اترنا تھا۔

چودھری نے لیڈر کی جگہ سنبھالتے ہی ایک ہنٹر کو جا لیا۔ ہنٹر کے ہواباز نے چودھری کی زد سے بچنے کے لیے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن اگلے ہی لمحے چودھری کے طیارے کے چھ مشین گنوں کی بوچھاڑ ہنٹر کے تیل کی ٹینکی میں لگی۔ اپنے طیارے کو زخمی دیکھتے ہی ہنٹر کا ہواباز پلک جھپکتے ہی طیارے سے باہر کود گیا۔ بے قابو طیارے سے دھوئیں کے بادل اٹھنے لگے اور وہ زمین کی طرف

غائب ہوگیا۔

ادھر یونس تن تنہا کئی بھارتی طیاروں کے ساتھ زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہا تھا۔ اس اکیلے نے انڈین ایئر فورس کے کئی طیاروں کو الجھا رکھا تھا۔ اب تک وہ ایک طیارے کو گرا چکا تھا۔ اس کا اپنا طیارہ بھی دشمن کی گولیوں کی زد میں آکر زخمی ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود وہ مصروف پیکار تھا۔ ادھر نہتا لیڈر رفیقی، سیسل کے عقب پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے تھا۔ دشمن کے کئی طیاروں نے اس پر جھپٹنے مارنے کی کوشش کی لیکن رفیقی ان سے بچتا رہا۔ اچانک دو ہنٹر طیاروں نے چودھری پر جھپٹا مارا۔ چودھری پھرتی سے ایک طرف ہو گیا۔ دشمن کا وار خالی گیا اور وہ آگے نکل گئے لیکن چودھری نے انہیں زیادہ دور نہیں جانے دیا۔ جلد ہی ایک کے پیچھے ہوگیا اور اسے شست میں لے کر فائر کر دیا۔ ہنٹر توپ کے گولے کی طرح پھٹا۔ اس کا دھواں اور ٹکڑے دور دور تک پھیل چکے تھے۔

چودھری شکاری کو مار کر اوپر اٹھا تو اسے محسوس ہوا کہ لیڈر رفیقی اس کے پیچھے نہیں ہے۔ اس نے وائرلیس پر رفیقی کو پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اب آسمان پر بھی اندھیرا چھانے لگا تھا۔ چودھری، لیڈر کو ڈھونڈ رہا تھا کہ اسے دور ایک سیبر، ہنٹر کے تعاقب میں نظر آیا۔ تھوڑی دیر بعد ہنٹر پر وہی مانوس شعلہ نظر آیا اور اس کے پرخچے بھی جالندھر کی فضا میں بکھر گئے۔ یونس نے دوسرا شکار مار گرایا تھا۔ اتنی دیر میں چودھری یونس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے یونس سے رفیقی کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا ”نہیں! مجھے بھی نظر نہیں آیا۔“

دونوں طیاروں کا تیل ختم ہو رہا تھا اور ایمونیشن بھی برائے نام رہ گیا تھا۔ فالتو تیل کی ٹینکیاں وہ پہلے ہی گرا چکے تھے اس لیے دونوں نے واپس اڈے پر پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ واپسی کے لیے مڑے ہی تھے کہ سیسل چودھری کو فضا میں دھماکے کی آواز سنائی دی۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ دو ہنٹر غوطے سے اٹھ رہے تھے۔ انہوں نے شاید نہتے رفیقی کو مار گرایا تھا۔ اللہ معلوم، رفیقی کتنی دیر ان سے الجھا رہا ہوگا لیکن نہتے مقابل کو مار گرانا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اگر رفیقی کی گنیں درست ہوتیں تو وہ دو کیا چار ہنٹر طیاروں کو بھی نیچا دکھا سکتا تھا لیکن یہاں وہ اپنی مشینری کے ہاتھوں بے بس تھا۔

چودھری اور یونس کو یقین ہوگیا تھا کہ ان دو ہنٹروں نے ان کے لیڈر کو ختم کر دیا ہے۔ وہ جذبہ انتقام سے پاگل ہو گئے اور بیک وقت اپنے طیاروں کو گھما کر ان ہنٹروں کے تعاقب میں چلے گئے۔ انہوں نے اپنے لیڈر کے خون کا بدلہ لینے سے پہلے یہ بھی نہ دیکھا کہ ان کے طیاروں میں تیل اور ایمونیشن کتنا رہ گیا ہے۔

چودھری ایک ہنٹر کے عقب پر لگا تو قاعدے کے مطابق یونس، چودھری کا نمبر 2 بن گیا تاکہ اس کے عقب کی حفاظت کر سکے۔ چودھری نے اپنے شکار کو فوراً رینج میں لے لیا۔ اس نے فائرنگ بٹن دبانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسے ایک دھماکہ سنائی دیا۔ پیچھے دیکھا تو یونس کا طیارہ پھٹ چکا تھا۔ وہ طیارے سے بھی نہ نکل سکا۔ وہ شہید ہو چکا تھا۔

اس حادثے کا چودھری پر ایسا اثر ہوا کہ دشمن کا طیارہ جسے ایک لمحے کی مدت ختم کرنے کے لیے کافی تھی، چودھری کی زد سے نکل گیا۔

رفیقی اور یونس شہید ہو چکے تھے۔ چودھری اکیلا رہ گیا۔ اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ دو دیرینہ ساتھی پلک جھپکتے ہی بچھڑ چکے تھے۔ لیکن یہ کیفیت جلد ہی ختم ہوگئی۔ چودھری کا جذبہ انتقام جنون تک پہنچ گیا۔ اس نے طیارہ گھمایا اور دشمن کے ایک ہنٹر کو زد میں لینے کی کوشش کرنے لگا۔ دفعتاً اسے اپنے پیچھے ہنٹر فائر کرتے نظر آئے۔ وہ پھرتی سے ایک طرف ہو گیا۔ وہ دونوں گھوم کر پھر اس کی طرف آئے۔ اسی لمحے دو ہنٹر اور آگئے۔

اب چودھری اکیلا تھا اور دشمن کے چار ہنٹر اس کے آس پاس غرا رہے تھے۔ ادھر تیل اور ایمونیشن بھی کم رہ گئے تھے۔ ایسی حالت میں ٹکر لینا بے سود تھا لیکن پوری طرح مسلح چار چار طیاروں کی زد سے نکل آنا بھی آسان نہ تھا۔ وہ اسے ہر زاویے سے زد میں لینے کی کوشش کر رہے تھے لیکن چوہدری اپنے شل اعصاب اور ذہنی افراتفری کے باوجود دشمن کا ہر وار رد کر رہا تھا۔ اس نے ہنٹروں کو اپنے تعاقب سے جھٹکنے کے لیے طیارے کو عمودی غوطے میں ڈال دیا۔ اب اس کی بلندی بہت خطرناک تھی۔ اس نے درختوں کی بلندی پر لا کر طیارے کو سیدھا کر لیا۔ چاروں ہنٹر اس کے تعاقب میں پہنچ گئے لیکن اس خطرناک بلندی پر آنے کی انہیں جرات نہ ہوئی۔ وہ صرف اوپر سے فائر کرتے رہے۔ چودھری اپنے طیارے کا رخ پاکستان کی طرف موڑ چکا تھا۔ دشمن کے ہوائی جہازوں نے بیاس تک اس کا پیچھا کیا لیکن اس کے بعد شاید ان میں مزید تعاقب کی تاب نہیں رہی تھی۔

وہ واپس لوٹ آئے اور چودھری اپنے اڈے پر صحیح سلامت اتر آیا۔ اپنے ساتھیوں کو یاد کر کے چودھری کہا کرتا تھا۔ ”میں نے اپنے ساتھی کو شہید ہوتے دیکھا ہے۔ میرا عزیز ساتھی میری نظروں کے سامنے ایک بھیانک شعلے کی نذر ہوگیا اور رفیقی کے بارے میں جبکہ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ وہ شہید ہو چکا ہے۔ رات بھر ایسا محسوس ہوتا رہا کہ ابھی رفیقی کہیں نہ کہیں سے واپس آنکلے گا لیکن اگلی صبح ابھرتے سورج کے ساتھ میری یہ خواہش ہمیشہ کے لیے ڈوب گئی۔“

فلائیٹ لیفٹیننٹ سید شمس الدین احمد

فلائیٹ لیفٹیننٹ سید شمس الدین احمد رنگون (برما) میں پیدا ہوئے۔ شمس نے پاک فضائیہ میں 1957 میں شمولیت اختیار کی۔

چار ستمبر 1965ء کی صبح انہیں پیشاب میں خون آیا۔ رات انہوں نے اس حالت میں گزاری تھی کہ بدن بخار میں پھنک رہا تھا اور گردے میں ناقابل برداشت درد تھا۔ کئی بار ارادہ کیا کہ سروسز ہسپتال لاہور میں داخل ہو جائیں مگر ہر بار دل نے روک لیا۔ دراصل فلائیٹ لیفٹیننٹ سید شمس الدین کو ڈر تھا کہ ایسے وقت جب ملک کے افق پر جنگ کے بادل جھکے آرہے تھے، انہیں پرواز کے ناقابل نہ قرار دے دیا جائے۔ وہ بمبار طیارے کے ہواباز تھے اور یہ خیال ان کے لیے سوہان روح تھا کہ قوم کی حفاظت کا جو عہد انہوں نے کیا تھا آزمائش کے وقت کہیں انہیں اس سعادت سے محروم نہ کر دیا جائے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ گھڑی آن پہنچی ہے جس کے لیے پاک فضائیہ نے ان کی تربیت کی تھی لیکن ان کی طبیعت اتنی خراب تھی کہ وہ رات کراہتے ہوئے گزارتے تھے اور صبح بخار میں پھنکتے ہوئے اٹھتے تھے۔ گردے کا درد بعض دفعہ بہت شدت اختیار کر جاتا لیکن جیسے ہی درد میں کچھ کمی ہوتی، شمس الدین احمد پھر ڈیوٹی کے لیے حاضر ہو جاتے۔ انہیں یقین تھا کہ جس لمحے کے لیے وہ درد کی اذیت برداشت کر رہے ہیں، وہ زیادہ دور نہیں اور اس ساعت کے لیے انہیں زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ بھارتی دو دن بعد ہی بین الاقوامی سرحد پر چڑھ آئے۔ وہ بھاگم بھاگ اپنے اڈے کے آپریشن روم میں داخل ہوئے لیکن اس وقت بھی ان کے چہرے پر کرب کی لکیریں عیاں تھیں۔ وہ ایک ایسا خطرہ مول لے رہے تھے جس

میں ان کی اپنی اور نیویگیٹر کی جان اور قیمتی طیارہ ضائع ہو سکتا تھا! کیونکہ ایک جدید جیٹ طیارے میں ایک لمحہ بھی تذبذب کا آجائے تو اس کی واپسی کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ وہ سوچ رہے تھے۔ ''اگر طیارہ گر پڑا تو کیا اللہ تعالیٰ میرا گناہ معاف کر دے گا کہ میں نے ایک بے گناہ نیوی گیٹر کی جان لی؟'' لیکن ان کے توکل علی اللہ نے ان کے خدشات پر قابو پالیا البتہ وہ اپنے کمانڈنگ افسر کو اپنی علالت کی خبر نہیں دے سکتے تھے کیونکہ ایسی حالت میں انہیں فوراً ہسپتال جانے کا حکم دے دیا جاتا۔

انہوں نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ایک کونے میں اسکواڈرن لیڈر شعیب عالم خان بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ وہ نیویگیٹر تھے اور فضائی ہیڈ کوارٹر کی دفتر ڈیوٹی سے اکتا کر جذبہ جہاد لیے اس اڈے پر آئے تھے۔ شمس بادل ناخواستہ ان کے پاس پہنچے۔ چپکے سے شعیب کو اپنی حالت بیان کی اور التجاء کی کہ وہ ان کے نیویگیٹر بن جائیں۔

شعیب کو اس جوان میں ایک مرد مجاہد کا آہنی عزم نظر آیا۔ انہوں نے کہا ''ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' انہوں نے سوچا کہ مجھے اس سے زیادہ جری ہوا باز اور کہاں ملے گا اور شمس کو اس جواب سے بڑی حیرت ہوئی۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی بھی نیویگیٹر ایک بیمار ہوا باز کے ساتھ جانے کو آسانی سے تیار نہیں ہوگا۔ اب شمس کی کیفیت بھی بدل گئی۔ کرب کے سارے آثار چہرے سے جاتے رہے اور اس دوران حالانکہ ہر حملے پر روانہ ہونے سے پہلے وہ گردے کے درد میں تڑپتے تھے، شمس نے کبھی درد کی شکایت نہ کی۔ فلائیٹ لیفٹیننٹ سید شمس الدین احمد ایک مدراسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد وہ راولپنڈی میں مقیم تھے۔ جنگ شروع ہوتے ہی وہ اس طرح مصروف ہو گئے جیسے گردے کا درد معمولی سا دور ہو۔ چین کلر ٹیبلٹ نگلتے اور کاک پٹ میں جا بیٹھتے۔

ایک مرتبہ شمس نے لدھیانہ کے قریب ہلواڑہ کے فوجی ہوائی اڈے پر بمباری کے لیے غوطہ لگایا تو انہیں گردے میں زور کا درد محسوس ہوا۔ یہ بڑا نازک لمحہ تھا۔ دشمن کی توپوں کے دہانے کھل چکے تھے۔ آسمان پر گولیوں اور پھٹتے ہوئے گولوں نے آتش بازی کا سماں باندھ دیا تھا۔ شمس کے منہ سے کراہ نکلی۔ وہ ذرا جھجکے، لیکن پھر ''اللہ نور السموت والارض'' کا ورد کرتے ہوئے نشانے کی طرف جھپٹ پڑے۔ فضا میں چاروں طرف گولے پھٹ رہے تھے۔ گولیاں سنسنا رہی تھیں لیکن پاکستانی بمبار آگ کے اس طوفان میں گھستا چلا گیا۔ دشمن کی طیارہ شکن توپ کا ایک گولہ اتنا قریب آ کر پھٹا کہ طیارہ ڈگمگا گیا لیکن اتنی دیر میں شمس کے گردے سے درد جا تا رہا تھا۔

شمالی بھارت میں دشمن کے اس سب سے بڑے اڈے پر پہنچ کر شمس نے بٹن دبایا اور ہزار ہزار پاؤنڈ کے آٹھ بم طیارے سے نکل کر رن وے پر جا گرے۔ ان میں سے ایک بم پٹرول کے ذخیرے پر جا کر گرا اور فلک شگاف دھماکے کے ساتھ اتنا بڑا شعلہ بلند ہوا کہ ساٹھ میل کے فاصلے سے بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ مشن پورا ہو گیا۔ پاکستانی بمبار فضا میں بلند ہوا۔ اسکواڈرن لیڈر شعیب نے واپسی کا راستہ متعین کیا۔ حملے کے ہیجان خیز لمحات گزر جانے کے بعد فلائیٹ لیفٹیننٹ شمس پھر بخار میں جلنے لگے لیکن اس جانباز نے اپنا طیارہ بڑی حفاظت کے ساتھ اتار لیا۔ ان کے نیویگیٹر کا بیان ہے کہ شمس درد سے کراہتے ہوئے جہاز میں سوار ہوتا تھا لیکن کاک پٹ میں بیٹھ جانے کے بعد اس کی کیفیت ہی بدل جاتی۔ وہ ایک کہنہ مشق اور پرسکون ہوا باز کی طرح پرواز کرتا اور نیچی اڑان میں دشمن کے ٹھکانوں پر ٹھیک ٹھیک نشانے لگاتا۔ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں گیا۔ فائر بندی کے اگلے روز شمس کو ایک فوجی ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ اس کے گردے میں 28 پتھریاں پائی گئیں۔ چنانچہ پورا گردہ نکالنا پڑا۔ پھر وہ کبھی طیارہ تنہا اڑا سکے لیکن انہیں اطمینان تھا کہ وہ اپنا عہد پورا کر چکے ہیں۔ فلائیٹ لیفٹیننٹ سید شمس الدین احمد اور ان کے نیویگیٹر اسکواڈرن لیڈر شعیب عالم کو جرات اور شجاعت کے صلے میں ''ستارہ جرات'' کے تمغے دیے گئے۔ شمس الدین کے آٹھ بھائی فوج میں تھے۔ تین فضائیہ میں، چار بری میں اور ایک بحریہ میں۔ ان کے ایک بھائی میجر شمیم عالم خان کو بھی پاک بھارت جنگ میں داد شجاعت دینے پر ''ستارہ جرات'' ملا۔ ان کے علاوہ ایک بھائی نے ''تمغہ بسالت'' اور دو نے امتیازی سند حاصل کی۔ شعیب عالم خان پاکستان کے سابق ڈپٹی سروسز جنرل جناب محبوب عالم خان کے بیٹے تھے۔ انہیں بھی 1966ء میں ''تمغہ قائداعظم'' عطا ہوا تھا۔ شعیب شیلانگ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے آبائی شہر الہ آباد میں حاصل کی۔ پاکستان بننے کے بعد ان کا کنبہ مری میں آ کر آباد ہو گیا اور 1954ء میں شعیب پاک فضائیہ میں بھرتی ہوئے تھے۔

اسکواڈرن لیڈر ایم ایم عالم

اسکواڈرن لیڈر محمد محمود عالم (ایم ایم عالم)

1934ء میں کلکتہ (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان 1947ء میں ہجرت کر کے ڈھاکہ میں مقیم ہوا۔ آپ اپنی تعلیم کے دوران ''ڈھاکہ یونیورسٹی ایئر اسکواڈرن'' کے ممبر رہے۔ اس کے بعد 1954ء میں پاک فضائیہ سے وابستہ ہو گئے۔ چھریرے سے بدن کا یہ ہوا باز جس کا وزن بمشکل ایک سو دس پونڈ ہوگا، پہلی نظر میں پہچانا ہی نہیں جاتا تھا کہ یہ وہی ''ہوا باز'' ہے جس نے بھارتی ہوا بازوں کی راتوں کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ جنگ کے بعد جب صدر پاکستان اپنے فضائیہ کے جانبازوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے سرگودھا پہنچے تو محمود عالم کو سب سے پہلے صدر سے ملوایا گیا۔ صدر نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں آپ پر ناز ہے۔''

پر اعتماد عالم نے شرمیلے پن سے جواب دیا۔ ''میرے لیے یہ بڑی سعادت ہے کہ مملکت کے سربراہ مجھے مبارکباد پیش کر رہے ہیں مگر میں نے تو صرف اپنا فرض نبھایا ہے۔''

اس کے بعد انہیں جنرل موسیٰ سے ملوایا گیا تو وہ اس منحنی سے جانباز کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور آخر اپنی حیرت کا اظہار یہ کہتے ہوئے کہہ ہی دیا۔ ''اوہ! تم اتنے دبلے ہو!''

عالم ابھی کوئی جواب نہ دینے پایا تھا کہ گروپ کیپٹن مسعود نے برجستہ جواب دیا۔ ''سر! یہ چھپا رستم ہے۔'' اس شگوفے پر سب ہنس پڑے۔

عالم پہلے ہوا باز تھے جنہوں نے تن تنہا ایک ہی جھڑپ میں دشمن کے پانچ طیارے مار گرائے۔ یہ کامیابی فضائی جنگ میں ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجموعی طور پر جنگ کے دوران میں انہوں نے دشمن کے گیارہ طیارے گرائے تھے۔ انہی کامیاب فضائی معرکوں کے صلے میں دوبارہ ''ستارہ جرات'' عطا کیا گیا۔ بحریہ، بری اور فضائیہ میں وہ واحد افسر ہیں جنہیں ایک ہی اعزاز دو بار دیا گیا۔ پاک بھارت جنگ کا پہلا روز تھا۔ شام کے وقت پاک فضائیہ کے تین طیارے دشمن کے علاقے پر پرواز کر رہے تھے۔ ان کی قیادت محمود عالم کر رہے تھے۔ اسکواڈرن لیڈر علاؤالدین اور

فلائیٹ لفٹننٹ سید سعد حاتمی ان کے ہمراہ تھے۔ ابھی یہ تینوں امرتسر کے قصبے ترن تارن کے قریب پہنچے تھے کہ علاؤالدین نے عالم کو وائرلیس پر اطلاع دی۔ "لیڈر! بائیں طرف چار ہنٹر پرواز کر رہے ہیں۔"

عالم کی نظر اس طرف گئی تو انہوں نے دیکھا کہ چار ہنٹر جنگی ترتیب میں دو تین سوفٹ آگے پاک فضائیہ کے طیاروں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ شاید انہیں پاک فضائیہ کے طیاروں کی خبر ہوگئی تھی لیکن انہیں یہ خبر نہ تھی کہ پاک شاہین ان سے بہت ہی قریب پرواز کر رہے ہیں۔

"فالتو ٹینکیاں پھینک دو اور گنیں تیار کر لو۔" لیڈر نے ساتھی ہوا بازوں سے کہا۔ آج تینوں ہوا باز پہلی مرتبہ دشمن کی فضائیہ کے سامنے آئے تھے۔ لیڈر کے کہنے کے مطابق دونوں ہوا باز اپنی ٹینکیاں گرا چکے تھے۔ ٹینکیاں الگ ہوتے ہی تینوں دشمن پر بری طرح جھپٹے لیکن بھارتی ہوا باز تیزی سے ایک طرف گھوم گئے۔ تینوں ہوا بازوں نے تعاقب جاری رکھا۔ عالم نے جلد ہی ایک ہنٹر کو اپنی زد میں لے لیا۔ وہ اور تیزی سے اس کے قریب ہوگئے اور اس پر مشین گنوں کی بوچھاڑ کر دی۔ گولیاں نشانوں پر لگیں۔ طیارہ کچھ بے قابو سا ہوا اور اس کے فوراً بعد ہی آگ کے مہیب گولے میں تبدیل ہوگیا۔ عالم نے پہلا شکار مار گرایا تھا۔

ایک طیارہ مار گرانے کے بعد تعداد برابر ہوگئی۔ تین پاک فضائیہ اور تین انڈین ایئر فورس کے طیارے فضا میں تھے لیکن فضا پر مکمل قبضہ پاک شاہینوں کا تھا۔ تینوں ہوا بازوں نے انڈین ایئر فورس کے ہنٹروں کو آگے لگایا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد عالم اور علاؤالدین نے اپنے اپنے شکار کو قابو کر لیا۔ بیک وقت دونوں طیاروں کی مشین گنوں نے آگ اگلی اور بھارت فضائیہ کے دو طیارے ڈگمگاتے ہوئے غائب ہوگئے۔ اب صرف ایک ہنٹر رہ گیا تھا۔ اسے سید سعد حاتمی نے گھیرا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے بھی اپنے شکار پر بھرپور حملہ کر دیا اور ہنٹر گولیاں لگتے ہی پھٹ گیا۔ اب تین پاکستانی جہاز فضا میں پرواز کر رہے تھے۔ یہ دشمن کی فضا تھی اور دشمن کا دور دور تک پتا نہ تھا۔ اس جھڑپ کے بعد ان کے طیاروں میں تیل باقی نہ رہا۔ فالتو تیل کے ٹینک وہ پہلے گرا چکے تھے اس لیے انہوں نے پاکستان کی سرحد کے قریب پہنچے تو سامنے سے دو ہنٹر اور آتے دکھائی دیئے۔ دشمن کے طیاروں کو دیکھتے ہی تینوں ہوا باز یہ بھول گئے کہ ان کے طیاروں کا تیل ختم ہونے والا ہے اور ایسے میں ٹکر لینا خطرناک ہو سکتا ہے۔ اللہ معلوم، جھڑپ کتنی دیر رہے لیکن اس وقت ان کے سامنے ان کے دو شکار تھے بھلا وہ اپنے شکار کو کیسے جانے دیتے؟"۔

ایم ایم عالم پھر ان ہنٹروں سے الجھ پڑے۔ ایک کو تو انہوں نے ذرا سی جدوجہد کے بعد ہی ٹھنڈا کر دیا۔ دوسرے ہنٹر کو ان کی فائرنگ سے خاصا نقصان پہنچا لیکن وہ بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ بھی مجبوری تھی کہ عالم تیل کی کمی کے باعث اس کا پیچھا نہ کر سکے۔ شاید ہوا باز کی زندگی تھی کہ وہ بچ نکلا۔ بہر حال عالم کو یقین تھا کہ وہ بمشکل اپنے ہوائی اڈے تک پہنچے گا۔ عالم کے اس خیال کی تصدیق بھی ہوگئی۔ وہ ہوا باز بھارت کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کا بیٹا فلائیٹ لیفٹیننٹ حسین تھا اور اسے اس لیے ویر چکر سے نوازا گیا تھا کہ اس نے پاک فضائیہ سے ٹکر لینے کی جرات کی تھی اور پھر ان کے ہاتھوں بیکار کیے ہوئے طیارے کو واپس اڈے پر لے آیا تھا۔

7 ستمبر کا سورج طلوع ہونے والا تھا۔ آگ اور خون کی ہولی شروع ہوئے دوسرا روز تھا۔ سرگودھا کے فضائی اڈے پر ہر شخص اپنی اپنی جگہ مستعد اور چوکس تھا۔ جنگ کے پہلے روز ہی پاک فضائیہ کے ہوا بازوں نے بھارت کے قلب و جگر آدم پور، پٹھان کوٹ اور ہلواڑہ کے ہوائی اڈوں پر تباہی مچا دی تھی۔ ان ہی ہوائی اڈوں سے اڑ کر دشمن نے اپنی بری فوج کو مدد دینے کی کوشش کی تھی۔ اس کے علاوہ انڈین ایئر فورس کے کئی طیارے فضا اور زمین پر بھسم کر دیئے گئے تھے۔ بھارتی سورما اس بات کا خیال بھی نہ کر سکتے تھے کہ پاکستان کی فضائیہ ان کے گھر میں گھس کر بھی وار کر جائے گی۔

سرگودھا کی فضا پر ابھی دھند کا قبضہ تھا۔ ہوا بازوں کے طیارے آخری معائنے کے بعد اسلحے سے لیس پرواز کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔ آج ہوائی اڈے پر موجود ہر فرد کو احساس تھا کہ دشمن لاکھ بھگوڑا سہی، لیکن وہ اپنے اہم ہوائی اڈوں کی تباہی کا بدلہ لینے ضرور آئے گا۔ سورج کی روشنی چار سو پھیلنی شروع ہوگئی۔ اڈے پر موجود ہوا باز اور دیگر عملہ اپنے نیلے آسمان کی وسعتوں میں دشمن کے طیاروں کی راہ دیکھتے دیکھتے اکتا چکے تھے۔ ان کے استقبال کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں لیکن وہ اب تک اپنے آدم پور، پٹھان کوٹ اور ہلواڑہ کا بدلہ چکانے کے لیے سرگودھا کی فضا میں نمودار نہیں ہوئے تھے۔ آخر ہائی کمان نے ان کی آمد سے ناامید ہو کر کیل کانٹے سے تیار طیاروں کو دشمن کے فوجی فضائی ٹھکانوں پر حملے کرنے، نیز اپنی فوج کو مدد پہنچانے کا عزم کیا۔ ابھی یہ مائل بہ پرواز بھی نہ ہوئے تھے کہ اچانک پرسکون فضاء میں گڑ گڑاہٹ پیدا ہوئی اور اڈے پر موجود ہر شخص کے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ شاید دشمن آن پہنچا تھا۔ سب نے چونک کر دیکھا لیکن یہ دشمن کا طیارہ نہیں بلکہ پاک فضائیہ کا ہیلی کاپٹر تھا۔ ہیلی کاپٹر زمین پر آیا ہی تھا کہ آسمان سے ایک راکٹ سنسناتا آیا اور ہیلی کاپٹر سے چند ہی گز دور گرد دھماکے سے پھٹا۔ دشمن آن پہنچا تھا۔ انتظار کی اذیت سے نجات مل گئی اور سرگودھا فضائی حملے کے سائرن سے گونج اٹھا۔ یہ انڈین ایئر فورس کے چھ ہنٹر طیارے تھے۔ فضاء میں اس وقت صرف یہی چھ طیارے تھے۔ پاک فضائیہ کا کوئی طیارہ بھی فضا میں نہ تھا اور نہ ہی وہ اس وقت ان سے ٹکر لینے کے لیے پرواز کر سکتا تھا کیونکہ انڈین ایئر فورس کے طیارے سر پر آن پہنچے تھے لیکن شاید انہیں وہ درس یاد تھا جو گزشتہ چند جھڑپوں میں پاک فضائیہ نے دیا تھا۔ ان کی فائرنگ بے نشانہ اور بے ٹھکانہ سی تھی۔ عین اس وقت پاک فضائیہ کا ایک اسٹار فائٹر ایف 104 جو گشتی اڑان کے لیے گیا ہوا تھا، اپنی ڈیوٹی سے واپس آتا دکھائی دیا۔ اسے فلائیٹ لیفٹیننٹ امجد حسین اڑا رہے تھے۔ جب وہ اڈے کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ چھ سیبر طیارے ان کے ہوائی اڈے پر فائر کر رہے ہیں۔ ان کا خون کھول اٹھا۔ وہ تیر کی طرح دو طیاروں کے اوپر سے گزر رہے۔ فضا میں مشین گنوں کی گڑگڑاہٹ گونجی اور اس گونج کی لہریں ابھی تھمی نہ تھیں

کہ دو سیبر طیارے فضا میں بموں کی طرح پھٹے اور ان کے پرخچے اور ہوا بازوں کے چیتھڑے آسمان میں بکھر گئے۔ یہ سب کچھ چند سیکنڈ میں ہوا۔

لوگ ابھی ان دو کی تباہی کا منظر دیکھ ہی رہے تھے کہ طیارہ شکن توپچیوں نے بھی فائر کر کے دو طیاروں کو مار گرایا۔ دونوں طیارے اپنے پیچھے دھوئیں کا بادل چھوڑتے ہوئے سرگودھا کے ہرے بھرے کھیتوں میں جا گرے۔ فضا میں اب صرف دو سیبر رہ گئے تھے وہ اجل کی اس برق رفتاری کو دیکھ کر سٹپٹا گئے اور ہوائی اڈے کو نقصان پہنچائے بغیر اپنی جانیں بچا کر وہاں سے کھسک گئے۔ ابھی حملے کے اختتام کا سائرن بج ہی رہا تھا کہ وہ ایک دفعہ پھر خطرے کے اعلان میں بدل گیا۔ اب چھ ہنٹر طیارے آ رہے تھے لیکن اب اسکواڈرن لیڈر محمد محمود عالم اور فلائنگ آفیسر مسعود اختر ان کو ''وصول'' کرنے کے لیے فضا میں تھے۔ اسکواڈرن لیڈر محمود احمد عالم اس حملے کی روئے داد یوں سناتے ہیں۔ ''پہلے حملے کی وارننگ کے وقت ہم اپنے طیاروں میں اڑان کے لیے تیار بیٹھے تھے لیکن حملے کے دوران میں طیارے اڑائے نہیں جاتے، کیونکہ دشمن کو آسانی سے نشانہ مل جاتا ہے اور وہ اٹھتے طیارے کو مار لیتا ہے۔ ہمیں طیاروں سے باہر نکل آنے کو کہا گیا لیکن ہم کاک پٹ سے باہر آنے بھی نہ پائے تھے کہ حملہ ختم ہو گیا۔ اس حملے کے بعد ہم نے چائے کی ایک ایک پیالی پی۔ پورے چھ بجے سائرن بجے اور حملے کے لیے خبردار کرنے لگے۔ ہم دونوں، میں اور میرا نمبر 2 فلائنگ آفیسر مسعود اختر طیاروں میں بیٹھے اور اگلے چند منٹ بعد ہم فضا میں تھے۔ ہم دس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہے تھے کہ زمین کے کنٹرولر نے ہمیں مطلع کیا کہ دشمن کے ہنٹر طیارے ہوائی اڈے کے قریب پہنچ گئے ہیں اور حملہ کرنے کے لیے اوپر اٹھ رہے ہیں۔ ہم نے تیزی سے غوطے میں جاتے وقت تیل کی فالتو ٹینکیاں پھینک دیں۔ اس وقت سرگودھا کی حفاظت کی ذمے داری ہمارے کاندھوں پر تھی۔ یہ بڑی اہم ذمے داری تھی جبکہ مقابلہ دو سیبر اور چھ سیبر پر فوقیت رکھنے والے ہنٹروں کا تھا۔ جس وقت ہمیں اطلاع ملی کہ دشمن ہمارے اڈے پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو چکا ہے تو ہمارے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ اس کے علاوہ اب تک دشمن کے ہوائی حملوں سے جو تجربہ ہوا تھا، اس کی روشنی میں یہ بھی ممکن تھا کہ وہ ہمارے تو ہوائی اڈے کو رنج میں لے کر اور بم گریں جا کر گنجان آبادی میں اس لیے ہماری کوشش تھی کہ دشمن کو فائرنگ سے پہلے ہی دبوچ لیا جائے۔ میں نے دشمن کے طیاروں کو دیکھ لیا تھا۔ مسعود اختر میرے عقب کی حفاظت کر رہا تھا۔ جب ہم دشمنوں کے قریب پہنچے تو میں نے اس کی فارمیشن کے پیچھے دو اور طیارے پرواز کرتے دیکھے۔ انہوں نے بھی ہمیں تعاقب کرتے دیکھ لیا اور ان میں سے ایک تیزی سے دائیں جانب گھوم گیا۔ میں نے اپنے طیارے کو اوپر کھینچ لیا ورنہ میں اس سے آگے نکل جاتا اور صورت حال بالکل بدل جاتی۔ میں گھوم کر پیچھے چلا گیا اور واپس آ کر پیچھے سے ایک ہنٹر کو زد میں لے لیا۔ وہ میری زد سے بچنے کے لیے داؤ پیچ آزمانے لگا۔ وہ مجھے اپنے تعاقب سے ہٹانے کے لیے ہزار جتن کر رہا تھا لیکن میں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں زندگی اور موت کی آنکھ مچولی زمین کے بہت قریب لے گئی اور ہم درختوں کی بلندی تک آ پہنچے۔ بھارتی ہوا باز نے آخری داؤ آزمایا اور عموداً اپنے طیارے کو اوپر کھینچ لیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس کے نیچے سے نکل جاؤں گا لیکن میں بھی اس کے ساتھ پیچھے پیچھے عموداً اٹھ گیا اور اس کی دم کے ساتھ چپک گیا۔ اسی پوزیشن میں، میں نے گنوں کی مختصر سی بوچھاڑ ماری۔ بھارتی طیارہ ایک سیکنڈ میں دہکتی ہوئی بھٹی میں تبدیل ہو گیا اور میں تیزی سے آگے نکل گیا۔ میں نے گھوم کر اپنے شکار کی طرف دیکھا۔ طیارہ آگ کا گولا بنا ہوا زمین کی طرف جا رہا تھا اور اس سے کچھ دور غبارے کی مانند پھولے ہوئے پیراشوٹ کے نیچے ایک آدمی لٹک رہا تھا۔ بھارتی ہوا باز کی قسمت ہی تھی کہ وہ موت کے گولے سے صحیح سلامت نکل آیا۔ اسے زمین پر آنے کے بعد گرفتار کر لیا گیا۔ میں اپنے شکار کے تعاقب میں یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ باقی ہنٹر کدھر فرار ہو گئے۔ دور دور تک ان کا نشان نہ تھا۔ میں بے تابی سے طیاروں کو ڈھونڈنے لگا۔ اڑتے اڑتے میں اور میرا نمبر 2 دریائے چناب سے پرے نکل گئے۔ اچانک وائرلیس پر مسعود کی آواز گونجی۔ ''ہنٹر ہنٹر سامنے......ذرا بائیں......'' میں نے دیکھا چار ہنٹر بڑی اچھی جنگی ترتیب میں پرواز کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ گھوم کر اوپر اٹھنے لگے۔ میں گھوم کر ان کے پیچھے خاصا قریب پہنچ گیا اور شست کھول دی۔ پھر ایک ایک طیارہ اس میں نمودار ہوتا گیا۔ میں نے فائرنگ شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے لیے سرگودھا کی فضا پر یوں معلوم ہوا جیسے بہت ہی بھاری بم چکا چوند کے ساتھ پھٹے ہوں۔ اور جب دھماکے ذرا تھمے تو انڈیا کے چار ہنٹر اپنے پیچھے دھوئیں کے بادل چھوڑتے اپنے ہوا بازوں سمیت پاک سرزمین پر گر رہے تھے۔''

ایک ہی معرکے میں بھارت کے چھ میں سے پانچ ہنٹر مار کر گرا لیے تھے، جو ایک عالم کی ضرب سے باقی بچا تھا، وہ راستے میں انجن بگڑ جانے کے باعث بیکار ہو گیا اور اس کا ہوا باز بھی اپنی جان بچانے کے لیے طیارے سے کود گیا اور یوں جو انڈین ایئر فورس نے چھ طیارے سرگودھا تباہ کرنے کو اڑائے تھے ان میں سے ایک بھی طیارہ واپس اپنے اڈے پر نہ پہنچ سکا۔ یہ تمام معرکہ تیس سیکنڈ کا عمل تھا اور یہ چند سیکنڈ ہی ایم ایم عالم کی زندگی کا حاصل تھے۔ انہی چند سیکنڈوں میں ایم ایم عالم نے وہ کارنامہ انجام دیا جو فضائی جنگ میں ایک نئے ریکارڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ونگ کمانڈر محمد انور شمیم

ونگ کمانڈر محمد انور شمیم ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ثانوی تعلیم دیال سنگھ کالج لاہور سے حاصل کی۔ پاکستان کے قیام کے بعد حکومت نے پی اے ایف پائلٹ حاصل کرنے کو جو ''یونیورسٹی ایئر اسکواڈرن تنظیم'' شروع کی تھی، محمد انور شمیم اسی اسکواڈرن کے ممبر تھے۔ آپ نے 1955ء میں پاک فضائیہ میں شمولیت اختیار کی۔ طبعاً کم گو اور شرمیلا ہونے کے باوجود پاک فضائیہ کا یہ جواں سال ونگ کمانڈر منجھا ہوا ہوا باز تھا۔ اپنے جنگی فن کا مظاہرہ انہوں نے 1964 میں پشاور میں منعقد ہونے والی پاک فضائیہ کی نمائش میں فضائی کرتب دکھانے والے ہوا بازوں کی جماعت کی قیادت کر کے دکھایا تھا۔ اس جماعت کے لاجواب کرتبوں کے باعث جماعت میں شامل ہوا بازوں کو ''عقاب'' کا نام دیا گیا۔

جنگ کے سترہ دنوں میں انور شمیم نے کئی فضائی معرکے لڑے۔ دشمن کے ٹھکانوں پر بمباری بھی کی اور اپنی بری فوج کو فضائی مدد بھی دیتے رہے۔ فائٹر ونگ کے کمانڈر کی حیثیت سے انہوں نے جنگی پروازوں کے دوران میں اپنے ساتھیوں کے حوصلے بلند رکھے اور ان کے جوش جہاد میں نئی روح پھونکتے رہے۔ ان ہی کارناموں کے اعتراف میں انہیں ''ستارہ جرات'' سے نوازا گیا۔

اسکواڈرن لیڈر منیر احمد شہید

اسکواڈرن لیڈر منیر احمد 1929ء گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ آپ پہلوانوں کے سے جسم کے مالک تھے انہیں زندگی میں یا تو اپنے بال بچوں سے دلچسپی تھی یا پھر پروازوں سے۔ انہوں نے اپنی زندگی ان ہی دو چیزوں کے لیے وقف کر دی تھی۔ جنگ کے دوران میں پہلا فضائی حملہ انہوں نے چار ستمبر کو چھمب میں کیا جہاں دشمن کے کئی ٹینک اور گاڑیاں تباہ کیں۔ اس کے بعد وہ گیارہ ستمبر تک کسی نہ کسی جنگی اڑان میں شریک رہے۔ وہ زبان سے ہکلاتے تھے لیکن پرواز کے دوران میں وائرلیس پر بات کرتے ہوئے ان کی زبان رواں ہوتی تھی۔ وہ پرواز کے اتنے شائق تھے کہ جنگ کے دوران میں آٹھ مرتبہ اپنے رفیقوں کی منت سماجت کر کے ان کی جگہ خود جنگی اڑانوں میں حصہ لیتے رہے۔ ابتداء میں انہیں یہ حسرت رہی کہ فضا میں دشمن سے دو بدو مقابلہ نہیں ہوا لیکن یہ حسرت بھی شہادت سے ایک دن پیشتر یعنی دس ستمبر کو پوری ہوگئی اور انہوں نے دشمن کا ایک نیٹ طیارہ فیروز پور کے قریب مار گرایا۔ اس روز وہ بہت مسرور تھے۔ وہ دوستوں میں اپنی لطیفہ گوئی کی وجہ سے مشہور تھے۔ بات کرتے وقت ہلکی سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر رقصاں رہتی تھی۔ ان کی زندگی پرواز سے عبارت تھی۔ اسی شوق میں انہوں نے کبھی ترقی کی خواہش نہیں کی اور نہ کبھی ترقی کے امتحان میں شریک ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ترقی ملنے پر ان کی پرواز ختم ہو جائے گی اور انہیں دفتر میں بٹھا لیا جائے گا۔ بعض ساتھی ہوا باز تو انہیں پریشان کرنے کے لیے صرف اتنی افواہ اڑا دیتے کہ منیر کو ایئر ہیڈ کوارٹر میں اسٹاف ڈیوٹی پر لگانے کا فیصلہ ہو گیا ہے اور پھر منیر کو اس وقت تک چین نہ آتا جب تک وہ اس کے بارے میں مطمئن نہ ہو جاتے۔ جس آخری مشن میں آپ شامل ہوئے اس گروپ میں بھی آپ کی بجائے فلائنگ آفیسر مسعود کا نام تھا لیکن ان کی غیر حاضری میں منیر احمد کو منتخب کیا گیا کیونکہ اس سے پیشتر بھی وہ امرتسر کی مہم میں شریک ہو چکے تھے۔ اس آخری پرواز پر جانے سے پہلے انہوں نے گراؤنڈ کریو (Ground Crew) سے کہا تھا۔ ''اگر آج راڈار تباہ نہ ہو سکا تو میں خود تباہ ہو جاؤں گا۔''

امرتسر کی گنجان چھاؤنی میں بھارت کا مایہ ناز راڈار نصب تھا۔ اس راڈار کی مدد سے پاکستانی شاہین بہت دور سے دیکھ لیے جاتے تھے۔ پاک فضائیہ کے لیے اس کی تباہی ناگزیر تھی لیکن بھارت نے اپنے اس طاقتور راڈار کے حفاظتی اقدامات بھی بڑے تسلی بخش کر رکھے تھے۔ ویسے بھی اس کی بناوٹ ایسی تھی کہ اسے تباہ کرنا آسان نہیں تھا۔ گیارہ ستمبر کا اہم اور خطرناک ترین مشن امرتسر کے اسی راڈار کو تباہ کرنا تھا۔ لڑاکا طیارہ ونگ کے آفیسر کمانڈنگ کی طرف سے ونگ کمانڈر محمد انور شمیم کو یہ فرض سونپا گیا تھا اور انہوں نے اس مہم کے لیے تین ہوا باز منتخب کر لیے تھے۔ پرواز سے پہلے آخری ہدایات دینے کے لیے محمد انور شمیم نے اپنے ساتھیوں کو بلایا۔ دو ہوا باز تو پہنچ گئے لیکن تیسرا نہ آیا۔ پرواز کا شیدائی اسکواڈرن لیڈر منیر احمد پاس ہی کھڑا تھا۔ ونگ کمانڈر شمیم نے ان سے اپنے تیسرے ہوا باز کے متعلق استفسار کیا تو منیر نے حسب عادت مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''تیسرا ہوا باز تو میں ہوں جناب!''

ونگ کمانڈر شمیم ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گئے۔ ''لیکن میں نے تمہیں تو اس مہم کے لیے منتخب نہیں کیا تھا۔ میرا خیال ہے، میں نے فلائنگ آفیسر مسعود کو چنا تھا۔'' انہوں نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' منیر نے جواب دیا۔ ''لیکن مسعود تو پہلے ہی کسی اور مہم پر فضا میں ہے۔'' ونگ کمانڈر شمیم زچ ہو گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ منیر احمد اتنی وکالت کس مقصد کے لیے کر رہا ہے۔ انہوں نے جہاد کے متمنی اور حب الوطنی سے سرشار منیر احمد کا دل توڑنا نہ چاہا اور آخر کہہ دیا۔ ''آؤ بھئی! تیسرے ہوا باز تم ہی سہی۔''

منیر کا چہرہ چمک اٹھا۔ اسے ایک اور پرواز کی اجازت مل گئی تھی اور ایک دفعہ پھر وہ اپنی زمینی ڈیوٹی کسی اور کے سپرد کر کے پرواز کے لیے تیار ہو گیا۔ جنگی اڑان سے پیشتر ونگ کمانڈر شمیم نے تینوں ہوا بازوں کو راڈار اسٹیشن پر حملے کے متعلق نقشوں اور خاکوں کی مدد سے تفصیلی ہدایات دیں۔ تینوں ساتھیوں کو سمجھایا کہ آج ان کا ٹارگٹ راڈار کس مقام پر ہو سکتا ہے۔ آج وہاں کا موسم کیسا ہے اور بھارت نے اپنی اس ''طاقتور آنکھ'' کو حملے سے بچانے کے لیے کیا کیا انتظامات کیے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ٹارگٹ پر پہنچنے کا وقت متعین کیا اور پھر چاروں ہوا باز اپنے اپنے طیاروں کی طرف چل دیئے۔ یہ مہم اس روز کی خطرناک ترین مہم تھی۔ چاروں ہوا بازوں کو معلوم تھا کہ دشمن نے اپنے راڈار کو بچانے کے لیے ہر ممکن انتظامات کیے ہوئے ہیں اور وہ اس کارآمد راڈار کو بچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دے گا لیکن جنگ کے دوران دشمن کی قوت یا اپنی حفاظت کا مسئلہ نہیں ہوتا۔ یہاں تو ہر ہوا باز کا صرف ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ اس مقصد کو لے کر جذبہ شہادت سے سرشار منزل کی طرف بڑھتا ہے۔ پھر اس کو منزل ہی روک سکتی ہے یا منزل کے حصول کی خاطر موت۔ ان چاروں ہوا بازوں کا بھی ایک ہی مقصد تھا۔ دشمن کی آنکھ پھوڑ دیں گے یا اس مقصد کی خاطر جان دے دیں گے۔

ذرا ہی دیر بعد پاک فضائیہ کے چار طیارے دو، دو کی ترتیب میں رن وے سے اٹھے اور فضا میں پہنچتے ہی چاروں کا رخ اس ملک کی سرزمین کی طرف ہو گیا جس نے مسلمانوں کی غیرت کو ایک بار پھر للکارا تھا۔ چاروں طیارے اپنے پروں تلے تباہی کا ہیبت ناک سامان لیے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان طیاروں کے شاہین تھے ونگ کمانڈر محمد انور شمیم، اسکواڈرن لیڈر منیر احمد فلائیٹ لیفٹیننٹ امتیاز احمد بھٹی اور فلائٹ لیفٹیننٹ سیسل چودھری اور کچھ ہی دیر بعد وہ دشمن کی فضاء میں تھے۔ حملے کے دستور کے مطابق انہوں نے اپنی بلندی کم کر دی تاکہ ان کے طیارے دشمن کے راڈار پر نمودار نہ ہو سکیں۔ اب وہ پوری طرح دشمن کی فضا میں تھے۔ دشمن کے طیارے کسی وقت بھی ان کی راہ میں حائل ہو سکتے تھے۔ چاروں ہوا باز اپنے طیاروں میں چوکس بیٹھے ہوئے تھے۔ جونہی وہ امرتسر کی فضا میں پہنچے تو دشمن کی طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے بری طرح دھاڑنا شروع کر دیا لیکن یہ چاروں ہوا باز ماحول سے بے خبر یوں بڑھ رہے تھے جیسے کوئی مطمئن راہی اپنی منزل کی طرف رواں ہو اور گلی کوچوں کے آوارہ کتے بھونک کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے ہوں لیکن نشانے کے قریب پہنچتے ہی طیارہ شکن فائر میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دشمن امرتسر کی زمین کو نیلے آسمان سے چھٹکارہ دلا کر طیارہ شکن گولوں کے سائے میں لے لینا چاہتا ہو۔ امرتسر کی فضا پھٹتے گولوں سے سیاہ ہو رہی تھی۔ انچ انچ پر گولے پھٹ رہے تھے لیکن چاروں شاہین بے خوف و خطر دشمن کے طیارہ شکن فائر سے بنائے ہوئے جال میں اپنے ٹارگٹ کے گرد اڑ رہے تھے۔ اسکواڈرن لیڈر منیر احمد اس فارمیشن کا ڈپٹی لیڈر تھا۔ امرتسر کے راڈار اسٹیشن پر حملے کی ''رسم افتتاح'' اسے ہی ادا کرنی تھی۔ وہ حملے کے لیے تیار ہو گیا اور باقی

ہوابازوں نے اپنی باری کے انتظار میں اپنے طیارے ایک طرف کر لیے۔ منیر راڈار پر غوطے میں جاتے کے لیے فضا میں اوپر اٹھا ہی تھا کہ دشمن نے اس کے ارادے کو بھانپتے ہوئے اپنے تمام فائر منیر کے طیارے کی طرف مرکوز کر دیے۔ زمینی گنوں کے فائر سے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ دشمن کے اس راڈار کے گرد بڑے خصوصی دفاعی انتظامات ہیں۔ منیر کے طیارے کے غوطے میں جاتے ہی بیک وقت کتنے ہی گولے منیر کے طیارے کے قریب پھٹے۔ اس کا طیارہ ایک لمحے کے لیے ڈول گیا لیکن منیر نے اس بھیانک فائر میں بھی اپنے طیارے کو ایک انچ ادھر ادھر نہیں ہونے دیا۔ ٹارگٹ کے نزدیک پہنچتے تک دشمن کا فائر ہولناک ہو گیا لیکن منیر بھی آج طیارے میں اس عزم کے ساتھ سوار ہوا تھا کہ یا تو وہ آج راڈار تباہ کر دے گا یا خود تباہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ہوا بھی یہی۔ اس نے اپنا ٹارگٹ نہ چھوڑا اور دشمن کے انچ انچ پر پھٹتے ہوئے گولوں میں ہٹ ہو گیا۔ ونگ کمانڈر کو وائرلیس پر اس کی آخری آواز سنائی دی۔

''لیڈر! میں ہٹ ہو گیا ہوں۔''

اس کے بعد ساتھیوں نے اپنی نگاہیں نشانے پر جما دیں کہ شاید منیر اپنا طیارہ اٹھانے میں کامیاب ہو جائے۔ شمیم نے رہ رہ کر اسے پکارا لیکن منیر کا وائرلیس خاموش ہو چکا تھا۔ وہ اب فضا میں نہیں تھا۔ تینوں ہواباز ایک لمحے کے لیے سن ہو گئے۔ ایک لمحہ پہلے جس شاہ باز کو بے خوف و خطر اپنے نشانے کی طرف بڑھتا دیکھ کر ان کے خون کی گردش تیز ہو گئی تھی، وہ ان میں نہیں تھا۔ ایک عظیم ہواباز دشمن کی باردی یورش کی زد میں آ گیا۔ یہ فارمیشن اگر دشمن کی ہوتی تو وہ اپنے ایک ہواباز کو اپنے سے جدا ہوتے دیکھ کر بدحواس ہو جاتا اور پھر اپنے ہوش ٹھکانے پر لانے کے لیے اپنے ٹھکانے کا رخ کرتا لیکن یہ پاک فضائیہ کے شاہین تھے۔ ان کا انتقامی جذبہ اور تیز ہو گیا۔ نیچے دشمن کا فائر اسی طرح کھلا ہوا تھا۔

اگلے لمحے شمیم دشمن کے فائر سے بے نیاز ٹارگٹ پر غوطے میں چلا گیا۔ نشانے پر پہنچتے ہی اس نے بڑی مہارت سے اڈے کو شست میں لے کر بیک وقت تمام راکٹ فائر کر دیے۔ اس کے چھوڑے ہوئے راکٹ ٹھیک نشانے پر پھٹے اور بھارت کے ایک بہت بڑے راڈار کے پرخچے فضا میں اڑتے نظر آئے۔ شمیم کا برسایا ہوا ہر راکٹ اپنی قیمت وصول کر چکا تھا۔ امرتسر چھاؤنی کی فضا میں راڈار کے اڑتے ہوئے شیشے کے ٹکڑے ستاروں کی طرح چمکنے لگے۔ شمیم پر بے تحاشہ فائر کرنے والے توپچی بھی ایک لمحے کے لیے ٹھٹھک گئے ہوں گے کیونکہ جس کے دفاع کی خاطر وہ حکومت کا بے تحاشہ اسلحہ ضائع کر رہے تھے، وہ تباہ ہو چکا تھا۔ توپچیوں نے کھسیانو چنے کے لیے فائر ضرورت سے زیادہ بڑھا دیا لیکن انور شمیم اس کامیاب حملے کے بعد صحیح سلامت لوٹ آیا۔ راڈار تباہ ہو چکا تھا لیکن طیارہ شکن گنیں باقی تھیں۔ ان کے توپچی باقی تھے۔ وہی توپچی جنہوں نے ان کے ''رفیق'' کو ان سے چھین لیا تھا۔ راڈار سے متعلقہ مشینری بھی ابھی باقی تھی۔ اب ہواباز امتیاز احمد بھٹی اور چودھری حملے کے لیے بڑھے۔ فائر ان پر مرکوز ہو گیا لیکن منیر ان کے سامنے ابھی ابھی ایک روایت قائم کر کے شہید ہوا تھا۔ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے منیر ان کی رہنمائی کر رہا ہو۔ انہوں نے بے خوف ہو کر جھپٹے مارے۔ دشمن کی طیارہ شکن گنوں کو چن چن کر ختم کر دیا۔ پھر تینوں ہوابازوں نے راڈار سے متعلق مشینری کو بھی تہس نہس کر دیا اور جب وہ مشن سے کامیاب لوٹ رہے تھے تو ان کے طیارے اسلحے کے بوجھ سے بالکل ہلکے ہو چکے تھے۔ یہ تمام اسلحہ ایک بے اصول ملک کی دھرتی کو سیاہ داغ لگانے میں کام آیا تھا۔